چاند پر پہنچنا شرعاً ممکن ہے

ارشادات صحابہ کرام، تابعین عظام و ائمہ مفسرین سے
اس کا ثبوت

اسلام اور چاند کا سفر

مصنف

فیض صدر الشریعہ فقیہ اعظم ہند شارح بخاری
حضرت علامہ مفتی **شریف الحق امجدی** علیہ الرحمہ
سابق صدر شعبہ افتاء الجامعۃ الاشرفیہ مبارکپور اعظم گڑھ

مکتبہ بہار شریعت

داتا دربار مارکیٹ لاہور
0322-4304109

بِسْمِ اللّٰہِ الرَّحْمٰنِ الرَّحِیْمِ

كُلٌّ فِي فَلَكٍ يَّسْبَحُوْنَ

چاند، سورج، ستارے ہر ایک ایک گھیرے میں پیر رہے ہیں

اسلام اور چاند کا سفر

چاند پر پہنچنا شرعاً ممکن ہے

ارشاداتِ صحابہ کرام، تابعین عظام وائمہ مفسرین سے

اس کا ثبوت

مصنف

خلیفہ صدر الشریعہ فقیہ اعظم ہند شارح بخاری

حضرت علامہ مفتی شریف الحق امجدی رحمۃ اللہ تعالیٰ علیہ

سابق صدر شعبہ افتاء الجامعۃ الاشرفیہ مبارکپور اعظم گڑھ ہند

مکتبہ بہارِ شریعت

دربار مارکیٹ لاہور 0322-4304109

الصلوٰۃ والسلام علیک یا رسول اللہ وعلیٰ اٰلک واصحابک یا حبیب اللہ

نام کتاب ——— اسلام اور چاند کا سفر

نام مصنف ——— خلیفہ صدر الشریعہ فقیہ اعظم ہند شارح بخاری
حضرت علامہ مفتی شریف الحق امجدی
سابق صدر شعبہ افتاء الجامعۃ الاشرفیہ مبارکپور اعظم گڑھ ہند

تصحیح ——— مفتی نسیم احمد مصباحی، مولانا نفیس احمد، مصباحی
اساتذہ جامعہ اشرفیہ، مبارک پور اعظم گڑھ

طبع ثالث ——— نومبر 1999ء

طبع رابع ——— مارچ 2012ء

صفحات ——— 144

قیمت ——— ۱۱۵

ناشر ——— مکتبہ بہار شریعت دربار مارکیٹ لاہور
0322-4304109

ملنے کا پتہ

- مکتبہ اہلسنت فیصل آباد
- مکتبہ غوثیہ کراچی
- مکتبہ شمس و قمر بھائی چوک لاہور
- مکتبہ قادریہ دربار مارکیٹ لاہور

فہرست مضامین

اس کتاب کی تالیف میں
مندرجہ ذیل کتابوں سے استفادہ کیا گیا

قرآن مجید
ترمذی شریف
فتح الباری شرح بخاری
اشعۃ اللمعات
تفسیر ابن جریر
تفسیر کبیر
تفسیر ابو السعود
تفسیر در منثور
تفسیر خازن
تفسیر مدارک
تفسیر جلالین
تفسیر صاوی
تفسیر بیضاوی
تفسیر سراج منیر
تفسیر عزیزی پارہ عم
تصریح
فتاویٰ رضویہ جلد چہارم
الملفوظ

شرح مواقف
صحیح النظر
المنجد
سیر افلاک
A Dictionary of Science
By E.B. Urjr And D.R. Chapman

معروضات میں مزید ان کتابوں سے استفادہ کیا گیا ہے

الاتقان
کشاف
معالم التنزیل
عینی شرح بخاری
ارارۃ الادب
بشیر القاری
شامی
مالا بد منہ
قاموس

قطعہ

مجھ کو بخشی ہے خدا نے وسعتِ فکر و نظر
رہروِ دانش راہ میری عزم میرا ہمسفر

میری منزل تک فرشتے بھی پہنچ سکتے نہیں
میں ہوں انساں میرے خادم انجم و شمس و قمر

بیکل اتساہی القادری بلرامپوری

---

[1] مراد نوع انسان ہے۔ اور نوع انسان کا نوع ملائکہ سے افضل ہونا اہلسنت کے نزدیک متفق علیہ ہے۔ منہ

انتساب

اپنے گہوارۂ تعلیم و تربیت "دارالعلوم اشرفیہ" کی نشاۃ ثانیہ اور عظیم عمارت کے سنگ بنیاد رکھنے کی اس مبارک تقریب میں اپنی یہ حقیر تالیف

"اسلام اور چاند کا سفر"

استاذی، سیدی، سندی، استاذ العلما، تاج العرفا، جلالۃ العلم، حافظ ملت حضرت مولانا الحاج الشیخ حافظ عبد العزیز صاحب قبلہ دام ظلہم العالی کی خدمت میں نذر کرتے ہوئے

غبار عثمانی، فقر حیدری کے وارثین "مبارکپور" کے ان باحوصلہ اولوالعزم، ملت کے دیوانوں کے نام سے معنون کرتا ہوں

جن کے

ایثار و قربانی، خلوص و للّٰہیت اور انفاق فی سبیل اللہ کے عدیم المثال کردار نے کروڑوں مسلمانانِ اہلسنت کے دھڑکتے ہوئے دلوں کی تکمیل کا سامان پیدا کر دیا۔ گر قبول افتد زہے عز و شرف

محمد شریف الحق امجدی

جامعہ عربیہ انوار القرآن بلرام پور۔ گونڈہ یوپی

۵ دسمبر ۱۹۷۱ء

پیش لفظ

از
مولانا یٰسین اختر مصباحی

مئی ۱۹۷۱ء میں "اسلام اور چاند کا سفر" کے نام سے شارح بخاری کی ایک معرکۃ الآرا اور تہلکہ خیز کتاب منظر عام پر آئی۔ اور اس کتاب نے علمی حلقوں میں اسی طرح ہلچل مچا دی جس طرح امریکہ و روس کے خلا پیماؤں نے اپنے خلائی جہاز "اپالو" اور "لونا" کے ذریعہ چاند پر پہنچنے کا دعویٰ کر کے ساری دنیا میں تہلکہ مچا دیا۔

مذہبی علما کا ایک بڑا طبقہ اس خبر کو جھوٹ فریب فراڈ قرار دے کر چاند پر انسان کی رسائی کو ناممکن اور اس خبر کی تصدیق کرنے والے کو گمراہ بتا رہا تھا۔ دوسرا طبقہ چاند پر انسان کی رسائی کو ممکن سمجھ رہا تھا۔ اور ایک تیسرا طبقہ یہ کہہ رہا تھا کہ چاند پر انسان کے پہنچنے کی بشارت قرآن حکیم کے اندر موجود ہے۔

شارح بخاری کا موقف یہ تھا کہ امریکہ و روس کے خلا باز چاند پر پہنچے یا نہیں اور ان کا دعویٰ صحیح ہے یا غلط۔ اس کی تصدیق و تکذیب الگ مسئلہ ہے۔ اور چاند پر انسان کی رسائی کا ممکن ہونا یہ اس سے مختلف ایک دوسرا موضوع بحث ہے۔ میری نظر میں چاند پر انسان کا پہنچ جانا ممکن ہے۔ شرعاً و عقلاً اس میں کوئی استحالہ نہیں۔

ایک سو اٹھائیس صفحات پر مشتمل اس کتاب کا دوسرا ایڈیشن از دائرۃ البرکات کریم الدین پور، قصبہ گھوسی اس وقت میرے پیش نظر ہے۔ جس میں شارح بخاری نے اپنے وسیع مطالعہ و تحقیق کا دریا بہا دیا ہے۔ اس کتاب کو پڑھ کر ہر صاحب فکر کو یہ اعتراف کرنا پڑے گا کہ شارح بخاری کی گہری نظر جس طرح قرآن و حدیث اور ان کی تفسیر و تشریح پر ہے اسی طرح قدیم و جدید فلسفہ و ہیئت و فلکیات کے بنیادی اصول و نظریات بھی ان کی گرفت میں ہیں۔

فن ہیئت سے متعلق قدیم و جدید یونانی نظریات پھر بعد کے مسلم دور

حکومت اور عباسی عہد خلافت وغیرہ میں علم الافلاک کی تاریخ، حکمائے یونان کے مختلف طبقات، یورپ کے ماہرین فلکیات اور چاند، سورج اور ستاروں سے متعلق انکی تحقیقات و نظریات صفحہ ۱۵ سے صفحہ ۵۶ تک درج ہیں۔ پھر صفحہ ۵۶ سے صفحہ ۶۴ تک مفسرین کے نظریات اور اسکے بعد صفحہ ۷۰ تک بعض تفاسیر اور ان پر وارد ہونے والے شبہات اور انکے جوابات درج ہیں۔ صفحہ ۷۰ سے صفحہ ۸۰ تک خلاصہ ابحاث ہے پھر صفحہ ۸۱ سے صفحہ ۱۲۸ تک شارح بخاری کی تحقیق سے اختلاف کا ذکر اور اس پر کچھ نیازمندانہ معروضات ہیں۔ یہ نیازمندی اس لئے ہے کہ ان معروضات کا روئے سخن صدر العلماء حضرت مولانا سید غلام جیلانی علی گڑھی ثم میرٹھی رحمۃ اللہ تعالیٰ علیہ کی طرف منسوب ہے جو شارح بخاری کے جلیل القدر استاذ گرامی ہیں۔

چاند آسمان میں ہے یا آسمان کے نیچے اس کے بارے میں مختصر طور پر مندرجہ ذیل نظریات جان لینے کے بعد اس نتیجے تک پہنچنا آسان ہو جائے گا کہ چاند پر کسی انسان کا پہنچنا ممکن ہے یا نہیں ؟

بطلیموس وغیرہ قدیم فلاسفہ یونان کہتے ہیں کہ چاند پہلے آسمان میں ہے۔ آسمان ناقابل خرق والتیام ہے۔ اسکے اندر کسی چیز کے داخل ہونے کے لئے کوئی منفذ کوئی سوراخ، کوئی دروازہ نہیں۔ اسلئے چاند پر انسان کا پہنچنا ممکن نہیں۔ گلیلیو وغیرہ جدید فلاسفہ یورپ کہتے ہیں کہ چاند سورج اور بھی ستارے فضا میں ہیں۔ آسمان کا کوئی وجود ہی نہیں اسلئے چاند پر انسان کا پہنچنا ممکن ہے

جمہور مفسرین فرماتے ہیں کہ چاند سورج اور ستارے آسمان کے نیچے ہیں۔ اس قول جمہور کی بنیاد پر خلائی جہاز یا اس طرح کے دوسرے ذرائع سے چاند پر کسی انسان کا پہنچنا شرعاً ممکن ہے۔ ارشاد باری تعالیٰ ہے۔

كُلٌّ فِي فَلَكٍ يَسْبَحُونَ — ہر ایک، ایک گھیرے میں تیر رہے ہیں

اس آیت کریمہ میں فلک سے کیا مراد ہے اس کے بارے میں تفسیر خازن میں پانچ اقوال نقل کئے گئے ہیں۔ (۱) مدار (۲) مطلق گولائی (۳)

آسمان (۴) چکی کی گولائی (۵) موج مکفوف۔ تفسیر نسفی میں ہے۔

عن ابن عباس ان المراد بالفلک السماء والجمھور علی ان الفلک موج مکفوف تحت السماء تجری فیہ الشمس والقمر والنجوم

(سورہ انبیاء)

ابن عباس سے مروی ہے کہ فلک سے مراد آسمان ہے اور جمہور کا مذہب یہ ہے کہ فلک سے مراد موج مکفوف ہے جو آسمان کے نیچے ہے جس میں سورج، چاند اور ستارے چلتے ہیں۔

علامہ ابن حجر عسقلانی فتح الباری اور علامہ عینی عمدۃ القاری میں حضرت عبداللہ بن عباس کی یہ تفسیر مذکورہ آیت کے ضمن میں نقل کرتے ہیں۔

عن ابن عباس یسبحون ای یدورون حولہ

ابن عباس سے یہ تفسیر مروی ہے کہ سب (چاند، سورج، ستارے) آسمان کے گرد گھومتے ہیں۔

موج مکفوف سے مراد آسمان اول نہیں۔ تفسیر درمنثور میں ہے۔

عن حسان بن عطیۃ قال الشمس والقمر والنجوم مسخرۃ فی فلک بین السماء والارض۔ اخرج ابن جریر عن ابن زید رضی اللہ عنہ فی قولہ کل فی فلک یسبحون قال الفلک الذی بین السماء والارض من مجاری النجوم والشمس والقمر

حسان بن عطیہ نے کہا کہ سورج، چاند اور ستارے آسمان اور زمین کے درمیان ایک گھیرے میں مسخر ہیں۔ ابن زید رضی اللہ تعالیٰ عنہ نے ارشاد باری کل فی فلک یسبحون" کی تفسیر میں فرمایا۔ اس گھیرے میں جو آسمان و زمین کے درمیان ہے جو ستاروں اور سورج اور چاند کی رہ گزر ہے۔

حضرت سلمان فارسی کا قول فتح الباری شرح بخاری میں منقول ہے۔

قال النجوم معلقۃ بالقنادیل من السماء الدنیا کتعلیق القنادیل

ستارے اس طرح قندیلوں میں پہلے آسمان سے لٹکے ہوئے ہیں جیسے مسجدوں

میں قندیلیں ہوتی ہیں

فی المساجد

تفسیر کبیر میں حضرت عطا تابعی مشہور مفسر کا یہ قول مذکور ہے۔

وذالك انھا فی قنادیل معلقۃ بین السماء والارض بسلاسل من النور وتلك السلاسل فی ایدی الملائکۃ فاذا مات من فی السماء والارض تساقطت تلك السلاسل من ایدی الملائکۃ

ستارے زمین و آسمان کے درمیان نورانی زنجیروں میں لٹکی ہوئی قندیلوں کے اندر ہیں اور یہ زنجیریں فرشتوں کے ہاتھوں میں ہیں۔ جب زمین و آسمان والے سب مرجائیں گے تو یہ زنجیریں فرشتوں کے ہاتھوں سے گر پڑیں گی۔

علم فلکیات کی رو سے چاند، سورج اور ستاروں کی تفصیلات، ایک دوسرے سے ان کی دوری، وغیرہ کا بھی اس کتاب میں تحقیق کے ساتھ ذکر ہے۔ وارد ہونے والے بعض اعتراضات واشکالات کا ازالہ بھی کر دیا گیا ہے شارح بخاری کی یہ کتاب اپنے موضوع پر ایک شاہکار فنی و تحقیقی خدمت ہے۔

یٰسین اختر مصباحی

بانی دار القلم دہلی

ایڈیٹر ماہنامہ کنزالایمان دہلی

۱۲ ربیع النور ۱۴۲۰ھ

معذرت

رسالہ "اسلام اور چاند کا سفر" کا پہلا ایڈیشن مئی ۱۹۸۱ء میں منظر عام پر آیا۔ اسے کتنی مقبولیت حاصل ہوئی ہے؟ اس کا اندازہ اس سے لگائیں کہ ایک ہزار جلدیں چھ ماہ سے بھی کم مدت میں ہاتھوں ہاتھ نکل گئیں۔ عوام و خواص نے اسے کتنا پسند کیا یہ ان بے بہا گراں الفاظ سے ظاہر ہے جو ملک کے گوشہ گوشہ سے آئے ہیں۔

طبع ثانی کے لئے پریس میں دینے کا ارادہ ہی کر رہا تھا کہ اطلاع ملی۔ کہ اسکے بعض حصوں کو توڑ کر۔ آدھی بات عوام کے سامنے پیش کر کے اس کے خلاف بہت شرمناک غلط فہمی پیدا کی جا رہی ہے۔ مثلاً اورئی ضلع جالون میں ایک نابینا صاحب جو بدایوں کے رہنے والے ہیں یہ کہہ آئے۔

"مفتی صاحب نے "یہود و نصاریٰ کے قول سے" حضرت ابن عباس رضی اللہ عنہ کا قول رد کیا ہے۔"

اس قسم کی اور بہت سی باتیں مسلسل سننے میں آئیں۔ اس لئے اس کی شدید ضرورت محسوس ہوئی کہ طبع ثانی میں حسب ضرورت حاشیوں کا اضافہ کر دیا جائے تاکہ اس قسم کے اندھوں کی اندھی باتوں سے کم از کم انصاف پسند حضرات کو اگر کسی قسم کی غلط فہمی پیدا ہو گئی ہو تو دور ہو جائے۔

چنانچہ میں نے اول فرصت میں اس کام کو انجام دیا پھر پریس میں بھیجنے کے لئے پیکٹ تک تیار کر چکا تھا کہ؛ اطلاع ملی ——— استاذی خیر الاذکیا صدر العلما حضرت مولانا غلام جیلانی صاحب میرٹھی شارح بخاری مدظلہ العالی اس کا رد فرما رہے ہیں۔ میں نے پیکٹ جوں کا توں رکھ دیا۔ اور انتظار کرنے لگا کہ جب

یہ رد چھپ جائے تو اسے دیکھ لوں اور اگر دلائل شرعیہ کی روشنی میں میری بات غلط ہو جائے تو رجوع کر لوں۔

خدا خدا کر کے انتظار کی گھڑیاں ختم ہوئیں اور اس سال امام اہلسنت اعلیٰ حضرت قدس سرہٗ کے عرس مقدس کے موقع پر اس کا رد "صحیح المسلک" رسالہ منظر عام پر آیا، میں نے بہت کوشش کی کہ جلد از جلد یہ رسالہ مجھے مل جائے مگر بدقسمتی کہ بڑی دشواری کے بعد کئی ماہ بعد ملا۔ وہ بھی حضرت مولانا الحاج حافظ مبین الدین صاحب مدظلہ العالی شیخ الحدیث دارالعلوم مظہر اسلام بریلی شریف کی عنایت سے۔

رسالہ از اول تا آخر بغور مطالعہ کیا مگر مطالعہ کے بعد مجھے اپنی رائے کی پختگی کا یقین اور زیادہ بڑھ گیا۔ اس میں مجھ پر جو الزامات لگائے گئے ہیں ان کے بارے میں یہ کہنا تو گستاخی ہے کہ وہ دیدہ و دانستہ ہیں مگر وہ انتہائی افسوسناک ہیں۔ مثلاً ایک الزام یہ بھی ہے کہ جب صحیح النظر چھپ چکی تو حضرت سے بالمشافہ یا تحریری گفتگو کیوں نہیں کرلی۔

یہ الزام جتنا سنجیدہ نظر آتا ہے اتنا ہی حقیقت میں خطرناک اور واقعہ کے خلاف بھی ہے۔ اس کا مقصد یہ ہے کہ امت میں اختلاف و شقاق پیدا کرنے کا ذمہ دار میں ہوں لیکن واقعہ کیا ہے اسے ملاحظہ کریں۔ ناظرین حیرت سے انگشت بدنداں رہ جائیں گے اصل واقعہ پر مطلع ہونے کے بعد ناظرین کو یہ بھی معلوم ہو جائے گا کہ میں نے تعجیل سے کام لیا ہے یا انتہائی غور و خوض و تتبع و تلاش سے اور یہ کہ یہ میری تنہا ذاتی رائے ہے یا اب بھی جمہور امت میرے ساتھ ہیں۔

واقعہ یہ ہے کہ جب اپالو نمبر ۹ کی تفصیلات اخباروں میں چھپی تو پورے ملک میں ایک سوال اٹھ کھڑا ہوا کہ آیا انسان کا چاند پر پہنچنا ممکن ہے یا نہیں۔ ہر جگہ اس پر گرما گرم سرد اسر ذ بحثیں شروع ہو گئیں۔ عوام و خواص علمائے دین اسکول کے ماسٹر صاحبان کالجوں کے لیکچرار پروفیسر صاحبان ہر قسم کے لوگوں سے خود میری مختلف موقعوں پر بات چیت ہوئی۔ ابتدا میں اس کے لئے تیار نہ تھا

اس لئے بحثوں میں جوابات کے بجائے سوالات ہی پر اکتفا کرتا رہا۔ اور اپنی فرصت کے اوقات میں اس پر غور کرتا تفاسیر شروح احادیث کا مطالعہ کرتا علما سے استصواب کرتا اثنائے تلاوت میں اس موضوع سے متعلق آیتوں کو نوٹ کرتا جاتا۔ کتابوں میں جہاں کہیں اس کے متعلق مواد ملتا جمع کرتا جاتا۔ اپنی جماعت کے کثیر اکابر و اصاغر سے اس موضوع پر مختلف انداز میں مختلف مجلسوں میں گفتگو ہوئی۔ میری تحقیق و جستجو جاری رہی تھی کہ ایک عظیم اجتماع میں جہاں تقریباً پچاس علما جمع تھے بھرے مجمع میں میں نے حضرت الاقدس ملت سرکار مفتی اعظم ہند دامت برکاتہم العالیہ سے سوال کیا۔ جواب میں ارشاد فرمایا۔

• انسان کا چاند پر پہنچنا ممکن ہے۔ مگر یہ (امریکہ والے) جھوٹے ہیں۔ لاعطر بعد العروس سرکار مفتی اعظم ہند مدظلہم العالی کے فیصلہ کن ارشاد کے بعد مجھے اطمینان ہوگیا۔ اب میں نے مزید استفسار اور سوال وجواب کی ضرورت محسوس نہیں کی۔ اور میں نے پہلا مضمون "قرآن اور خلائی سفر" لکھا مزید تحقیق و تنقیح بلکہ تصحیح کے لئے نوری کرن میں چھپوا دیا۔ ایک مدت دراز تک نہ اس کے خلاف کچھ لکھا گیا اور نہ کسی صاحب نے اس پر مجھے کوئی تنبیہ کی اور نہ کسی نے اس کی تردید کی۔

پھر جب اپالو نمبر ۱۱ کے بارے میں یہ خبر چھپی کہ اس کے ذریعہ دو آدمی چاند پر پہنچ گئے تو میرا وہی مضمون نوری کرن نے دوبارہ چھاپا۔ اس مضمون کی بدولت وہ پرچہ اتنا بکا کہ مانگ پوری نہ ہو سکی۔

اس طویل عرصہ میں استاذی صدر العلما دامت برکاتہم القدسیہ سے میری ملاقات نہ ہو سکی اور نہ کسی ذریعہ سے یہ معلوم ہو سکا کہ حضرت کا اسکے بارے میں کیا نظریہ ہے۔

کئی برسوں کے بعد جب عرس مبارک میں حاضر ہوا تو تصحیح النظر رسالہ فروخت ہو رہا تھا میں بھی خریدنے کے لئے حاضر ہوا تو از راہ گدا نوازی مفت عنایت ہوا۔ سر پر رکھا مطالعہ کیا۔ یہ رسالہ تقریباً نصف میرے اس مضمون کا رد ہے۔

اس کا صاف مطلب یہ ہے کہ سرکار نے میرا مضمون پڑھنے کے بعد "صحیح النظر" تصنیف فرمایا۔ کیا یہ سرکار کو نہیں چاہئے تھا وہ آٹھ دس صفحہ جو میرا رد ہے کسی خادم سے نقل کرا کر میرے پاس ارسال فرما دیتے۔ اور پھر میں اس کا بالفرض رد چھاپتا تو مجھے نشانہ غیظ بنایا جاتا یا ایک بیرنگ خط ہی سے مطلع فرما دیتے کہ تم نے جو مضمون لکھا ہے وہ غلط ہے، جہل ہے، گمراہ کن ہے، احادیث کے خلاف ہے۔ ائمہ مجتہدین کے ارشادات کے خلاف ہے نص قطعی الثبوت قطعی الدلالت کے منافی ہے۔ سرکار نے اپنے نیاز مند کا رد چھاپ کر شائع فرما دیا۔ تو پھر اپنے نیاز مند کو گھر کی بات باہر کرنے کا الزام دینا کہاں تک درست ہے؟ میں مزاج سے واقف تھا جس کا ثبوت "صحیح المسلک" میں قدم قدم پر دیکھا جا سکتا ہے اس لئے میں نے بالمشافہ گفتگو مناسب نہیں جانا۔ بعض مخلص احباب کے ذریعہ اپنی بات پہنچائی جس کا جواب یہ ملا کہ جمہور کا قول مرجوح ہے۔ کیوں مرجوح ہے اس کی کوئی وجہ نہ انھیں اس وقت ارشاد فرمائی اور نہ بعد میں بتانے کی امید دلائی پھر میں نے بعض اکابر کے ذریعہ عرضداشت پیش کرائی تو بھی کوئی تسلی بخش جواب نہیں ارشاد ہوا۔

اب میں نے پھر مزید غور و خوض اور تلاش و تتبع شروع کر دیا۔ ادھر بہت سے اکابر اور احباب نے بار بار فرمایا کہ تم اس مضمون کا تکملہ کر دو جو ادھورا رہ گیا ہے۔ اور کافی تشنہ ہے یہی اکابر و کثیر احباب کے اصرار پر اصرار اور تقاضے ہی رسالہ "اسلام اور چاند کا سفر" کے تالیف کا اصل سبب ہیں۔ جیسا کہ طبع اول کے دیباچہ میں مذکور ہے۔ اسے "صحیح النظر" کا جواب کہنا از سرتاپا واقعہ کے خلاف ہے اگر یہ "صحیح النظر" کا جواب ہوتا تو اس میں ان تمام باتوں کا جواب ہوتا جہاں جہاں میرے ابتدائی مضمون کا رد ہے۔ میں آج واضح کر رہا ہوں کہ "صحیح النظر" کے ایرادات لاجواب نہیں لیکن میں نے ازراہ احترام و نیازمندی اس کے جواب سے گریز کیا۔ مگر یہ لابدی امر ہے کہ جب ایک ہی موضوع پر دو مختلف رائیں

قائم کی جائیں گی تو اپنے پرائے استدلال میں کسی نہ کسی نقطے پر تصادم لازم ہے اور یہی ہوا۔ صحیح النظر میں یہ دعویٰ کیا گیا کہ چاند کا پہلے آسمان میں ہونا علماء شریعت کے نزدیک متفق علیہ ہے اس میں کسی کا اختلاف نہیں صہ۲ یہ واقعہ کے بالکل خلاف ہے اور صریح خلاف۔

نیز یہی اس بحث میں فیصلے کی بنیاد ہے۔ اسلئے میں نے اس پر ضرور کلام کیا اور یہ اسی کلام کا نتیجہ ہے کہ خود حضرت نے بھی "صحیح المسلک" میں تسلیم فرمالیا کہ چاند کا پہلے آسمان میں ہونا مفسرین کے نزدیک متفق علیہ نہیں، جمہور مفسرین کا مذہب یہ ہے کہ دیگر ستاروں اور سورج کی طرح چاند بھی آسمان کے نیچے ہے۔

"صحیح النظر" کے اس ادعا سے کتنی بڑی غلط فہمی کا اندیشہ تھا۔ میں نے اس غلط فہمی کا ازالہ کیا ہے۔ یہی میرا وہ جرم ہے جس کی سزا میں "صحیح المسلک" کے تلخ و ترش شیریں کلمات طیبات سے نوازا گیا ہوں۔

سر بندہ ایست سلامت تو خنجر آزمائی

ورنہ کسی غیر قطعی مسئلہ میں اختلاف ایسی چیز نہیں کہ اگر کوئی نیازمند انجانے میں یا جان بوجھ کر بھی اختلاف رائے کی جرأت کرے تو اس پر اتنا غیظ و غضب فرمایا جائے۔ حضرت علامہ صاوی نے تو اس قسم کے اختلاف کو امت کے لئے رحمت بتایا ہے۔ فرماتے ہیں۔

التفریق المذموم انما ھو فی العقائد لا فی الفروع فانہ رحمۃ للعباد (ص۱۵۲ ج ۱)	اختلاف مذموم صرف وہ ہے جو عقائد میں ہے فروع میں مذموم نہیں یہ بندوں کے لئے رحمت ہے۔

اور یہی مشہور و معروف حدیث اختلاف امتی رحمۃ کے ظاہر عموم کا منطوق ہے۔ عہد صحابہ سے لے کر آج تک ہر طبقہ ہر قرن میں اس کی مثالیں ملیں گی کہ اکابر نے اکابر سے، اصاغر نے اکابر سے اختلاف رائے کیا۔ قدیم امثلہ کو جانے دیجئے۔ اسی عہد کی چند مثالیں ملاحظہ فرمائیے۔

صدر الافاضل فخر الاماثل حضرت مولانا الحاج شاہ نعیم الدین صاحب قدس سرہٗ نے بعض مسائل میں امام اہلسنت اعلیٰ حضرت قدس سرہٗ کا خلاف کیا ہے. مثلاً قنوت نازلہ میں دعائے قنوت قبل رکوع ہے یا بعد رکوع. اعلیٰ حضرت قدس سرہٗ کا فتویٰ ہے کہ قبل رکوع ہے۔ اور حضرت صدر الافاضل کا فتویٰ ہے کہ بعد رکوع۔ اور خود حضور والا بھی" اس مسئلہ میں اعلیٰ حضرت قدس سرہ کے بجائے حضرت صدر الافاضل رحمۃ اللہ تعالیٰ علیہ کے اتباع کی وجہ سے حضرت صدر الشریعہ رحمۃ اللہ تعالیٰ علیہ کے رسالہ مبارکہ" التحقیق الکامل" پر اعتراضات کی ایک لمبی فہرست بھیجی تھی. معلوم نہیں اب یاد بھی ہے یا نہیں۔

میں نے حضور والا سے اختلاف رائے کیا تو یہ بھی حضور والا کی ایک طرح کی اتباع ہے. اپنی ہی سنت کے عامل پر یہ چشم عنایت کیا معنی؟ مجھے اعلیٰحضرت قدس سرہٗ سے اختلاف رائے کرنے پر چھٹی کا دودھ یاد دلانے کی دھمکی ارشاد ہوئی. مگر خود حضور والا نے اس مسئلہ (قنوت نازلہ کے قبل رکوع یا بعد رکوع ہونے) میں اور اس کے علاوہ مختلف مسائل میں (جن کا ثبوت آگے آتا ہے) اعلیٰ حضرت قدس سرہٗ کا اختلاف فرمایا۔

اب اگر حضور والا کا کفش بردار ہونے کی وجہ سے حضور والا سے سیکھ کر بالفرض میں اعلیٰ حضرت قدس سرہٗ کے کسی ارشاد سے اختلاف رائے رکھوں تو مجھ پر یہ غضب کیا معنی؟

اعلیٰ حضرت قدس سرہٗ کا فتویٰ ہے کہ سیپ کا چونا کھانا حرام ہے فتاویٰ رضویہ جلد دوم صہ ۱۰۰. مگر علماء بہار سیپ کا چونا حلال جانتے ہیں، بعض حضرات نے اس کی حلت کا فتویٰ بھی تحریر فرمایا ہے۔ اعلیٰ حضرت قدس سرہٗ کا فتویٰ ہے کہ مزامیر کے ساتھ قوالی مطلقاً ناجائز ہے۔ مگر ہمارے اکابر اہلسنت کا ایک طبقہ اسے جائز جانتا ہے۔ نہ صرف جائز جانتا ہے بلکہ سلوک ممد و معاون جان کر اسے سنتا بھی ہے اور سنا تا بھی ہے۔ مگر یہ سب اختلافات کبھی بھی آپس

ہیں سب وشتم اور اس ذوق کی تسکین کا باعث نہ ہوئے۔ جو حضور والا کا "صحیح المسلک" میں جگہ جگہ جھلک رہا ہے بلکہ تمام امت شاہد ہے کہ اس قسم کے اختلافات کے باوجود آپس میں محبت و مودت بلکہ عقیدت کے روابط ہمیشہ باقی رہے ہیں۔ اور انشاء اللہ تعالیٰ رہیں گے۔

ہاں اگر اختلاف رائے بلا دلیل محض نفسانیت کی بنیاد پر ہو تو البتہ یہ مذموم ولائق ملامت ہے۔ اس مسئلہ میں میرا حضور والا کی ذاتی تحقیق سے اختلاف بلا دلیل اتباع نفس کی وجہ سے ہے۔ یا دلیل شرعی کی روشنی میں اتباع حق کی وجہ سے اس کا اندازہ ہر اس شخص کو ہو گیا ہے جس نے دونوں فریق کی تحریریں پڑھی ہیں اور "صحیح المسلک" کی وجہ سے جو اشتباہ پیدا ہو گیا ہے وہ انشاء اللہ تعالیٰ اب دور ہو جائیگا میرے اوپر جو عنایتیں ہوئی ہیں اس کا نہ تو جواب دینا ہے نہ دوں گا اور نہ وہ میرے لئے کسی تکلیف کا باعث، البتہ جہاں جہاں جلالۃ العلم استاذ العلماء حضور حافظ ملت دامت برکاتہم العالیہ پر طعن کیا گیا ہے وہ میرے لئے ضرور انتہائی تکلیف دہ واذیت ناک ہے ان کی عدالت میں مجرم تھا تو میں تھا اس کی سزا مجھے ملنی چاہئے تھی، اور میرے سرکار نے سزا دینے میں کوئی کسر نہیں رکھی۔ مگر میرے جرم پر حضور حافظ ملت دامت برکاتہم القدسیہ کو مورد طعن بنانا۔ ان کو غیظ و غضب کا نشانہ ٹھہرانا کبھی بھی کسی منصف کے نزدیک لائق ستائش کام نہیں۔

کس قدر تکلیف دہ بات ہے کہ کاتب نے "دام ظلہ العالی" میں "دامت" لکھدیا۔ اس پر یہ تحریر فرمایا۔

" اپنے استاذ دوم جناب مولانا حافظ عبد العزیز صاحب شیخ الحدیث دار العلوم اشرفیہ مبارک پور کی خدمت میں اس کتاب کو بطور نذر پیش کیا ہے ان کے حق میں دامت ظلہ العالی لکھ کر ان کے ظل عاطفت کو جامہ انوثیت پہنا دیا۔ اب یہ فیصلہ ناظرین پر ہے کہ اس کو مدح بما یشبہ الذم کے قبیل سے کہا

جا سکتا ہے یا نہیں۔ آتنی اونچی مسند سے ایسی بات۔

ایں چہ شوریست کہ در دور قمر می بینم

کاتبوں سے اس قسم کی حرکتیں ہمیشہ ہوتی آئی ہیں۔ اور اب بھی ہوتی رہتی ہیں اگر حضور والا اجازت دیں تو سرکار کی مطبوعات میں سے سیکڑوں غلطیوں کی فہرست حاضر خدمت کر دوں اور جانے دیں۔ اسی صحیح المسلک کے ص۳۲ پر آیہ کریمہ اِنَّا لِلّٰہِ وَ اِنَّآ اِلَیۡہِ رٰجِعُوۡنَ کو تحریر فرمایا ہے۔ راجعون کا رسم الخط بغیر الف ہے۔ مگر کاتب نے الف کے ساتھ "رَاجِعُوۡنَ" لکھا ہے کیا قرآن مجید کو اس کے مخصوص رسم الخط کے علاوہ اپنے جی سے جیسے چاہیں ویسے لکھنا جائز ہے؟ کیا یہ کاتب کا نہیں حضور والا کے قلم کا کرشمہ ہے؟ اسی صفحہ پر اسی سے متصل آیہ کریمہ کَبُرَتۡ کَلِمَۃً تَخۡرُجُ مِنۡ اَفۡوَاہِہِمۡ کو کاتب نے یوں مسخ کر کے لکھا ہے۔ کبرٰی کلمۃ تخرج من افواھھ ناظرین کا فیصلہ جو ہوگا وہ ہوگا۔ مگر جب حضور والا کا فیصلہ ہے کہ مطبوعہ کتاب میں املا کی غلطی مولف ہی کی غلطی ہے تو یہ مسخ قرآن کس کے نامہ اعمال میں حضور والا درج فرماتے ہیں۔ دیکھنا ہے

حضور حافظ ملت دامت برکاتہم القدسیہ نے مسلسل چالیس اکتالیس سال سے اسلام و سنت کی جو نمایاں خدمت انجام دی ہیں اور اپنے فیض سے ہزاروں علما کا ایسا عظیم قافلہ تیار فرما دیا ہے جو ملک کے گوشے گوشے میں تو پھیلا ہی ہے بیرون ملک حتی کہ انگلینڈ تک چھایا ہوا ہے۔ حضور حافظ ملت دامت برکاتہم العالیہ ہی کا کارنامہ ہے کہ دار العلوم اشرفیہ جیسی عظیم دینی درسگاہ اہلسنت کو ملی اور اب الجامعۃ الاشرفیہ کی بنیاد ڈال کر تین لاکھ کی لاگت سے فلک بوس دو منزلہ درسگاہ کا حصہ مکمل کر کے دار الاقامہ کی بنیاد ڈال کر جماعت اہلسنت پر جو احسان عظیم فرمایا ہے وہ اس قابل ہے کہ ہر سنی مسلمان خصوصاً علما اس پر حضور حافظ ملت دامت برکاتہم العالیہ کی قدر کرتے ان کو سراہتے بلکہ ان کا احسان مانتے۔ اگر ایسا نہیں کرتے تو کم از کم اگر معاصرانہ تناؤ یا کسی اور وجہ

سے ان سے حضور والا کو کوئی کد و عناد تھا۔ تو بھی اس کو یوں بے محابا شائع
کرنے سے تو گریز فرماتے اور ان کو بلا وجہ محض کاتب کی غلطی کو بہانہ بنا کر یوں
اپنے دلی تاثر کا نشانہ نہ بناتے۔ اور اگر یہاں پر یہ ایراد، حضور حافظ ملت دامت
برکاتہم القدسیہ سے دلی کدورت کی وجہ سے نہیں تو اس رسالہ میں دوسری
اہم کتابت کی غلطیوں پر ایرادات کے ترک کی وجہ کیا ہے؟ جب کہ وہ میری
جہالات کے اس سے کہیں زیادہ مضبوط دستاویز ہو سکتے تھے۔ مثلاً ص۵۵ پر علامہ
نسفی کے بجائے علامہ صاوی ہے۔ اور ص۶۶ پر کسی گوشے میں ہے، کے بجائے
کسی گوشہ میں نہیں ہے، ہے وغیرہ وغیرہ کتابت کی اس غلطی کو میری غلطی قرار
دے کر اس پر تمسخر کر کے حضور والا نے دیوبندیوں کے مشہور و معروف اعتراض
کی شعوری یا غیر شعوری طور پر کیا تائید نہیں فرمائی؟ جو الملفوظ حصہ چہارم میں
کتنے کے بجائے ختم ہو جانے پر برسہا برس سے کرتے آئے ہیں۔ اگر
حضور والا ہم کفش برداروں سے خطاب میں اپنے ہم عصر ہمارے بزرگوں
پر یوں دل کے پھپھولے توڑیں گے تو اس کا اثر چھوٹوں کے اوپر کیا پڑے گا۔
ارشاد فرمائیں۔

صحیح المسلک کی اشاعت کے بعد میرے پاس اس سے متعلق خطوط
کا تانتا بندھ گیا مختلف لہجے، مختلف مضمون مختلف فرمائشوں کے خطوط آئے
ہمدردی سے بھرے ہوئے جواب الجواب کے تقاضے کے بھی اور گالی سے بھرے
ہوئے اگرچہ اس تیسری قسم کا صرف ایک خط آیا ہے۔ مگر آیا ہے۔ جواب
الجواب لکھنے اور نہ لکھنے کے سلسلے میں میں کوئی فیصلہ ابھی نہیں کر پایا تھا کہ میرے
خاص مخلص احباب نے بہ شدت مجھے اس سے منع فرمایا لیکن کثیر احباب نے
جواب الجواب کا مشورہ دیا۔ ان کا استدلال یہ تھا کہ اگر اس کا کوئی جواب
نہیں دیا گیا تو پروپیگنڈہ یہ ہوگا کہ "صحیح المسلک" میں مجھ پر جو الزامات لگائے
گئے ہیں وہ صحیح اور درست ہیں۔ اسلئے جارحانہ نہیں مدافعانہ جواب ضروری

ہے۔ چونکہ مزاج مبارک کی لطافت جواب الجواب کا تحمل نہ کر سکے گی اور شاید نقش ثانی نقش اول سے زیادہ تلخ و ترش ہو جائے۔ اس لئے مجھے جواب الجواب کی ہمت نہ ہوئی۔ بلکہ ایاز قدر خویش بشناس کے تحت میں نے یہی طے کیا کہ نیاز مندانہ مخلصانہ استفسارات حاضر خدمت کروں اور چونکہ حضور والا نے میرے اوپر عائد کردہ الزامات کو شائع کر کے عوام تک پہنچا دیا ہے۔ اس لئے میں بھی انھیں شائع کر دوں۔ احباب کے مشورے سے یہ بھی طے ہوا کہ چونکہ برکجو والا جاہ کے الزامات کی اصل حقیقت جاننے اور ان سے متعلق استفسارات سمجھنے کے لئے اصل رسالہ کا پورا مطالعہ ضروری ہوگا۔ اس لئے ان استفسارات کو علیحدہ طبع کروانے کے بجائے اصل رسالہ کے ساتھ ہی شائع کئے جائیں۔ اس لئے طبع ثانی میں ان کو بھی اصل رسالہ کے ساتھ شائع کیا جا رہا ہے۔

اب فیصلہ ناظرین کے ہاتھ ہے کہ وہ طے کریں حق کس کے ساتھ ہے۔ تاخیر ضرور ہوئی مگر تاخیر کا سبب اپنی طرح طرح کی مشغولیت ہے نیز میرے پاس کتابوں کا نہ ہونا بھی ہے۔

مختلف سفر میں مختلف مقامات پر جو کتابیں میسر آئیں ان سے استفادہ کر کے یہ سطور جمع کی گئی ہیں۔ اس سلسلے میں نیز اصل رسالہ کی تالیف کے سلسلے میں میں اپنے مخدوم زادہ محدث کبیر حضرت علامہ ضیاء المصطفےٰ صاحب زید مجدہٗ کا بیحد ممنون ہوں کہ انھوں نے نہایت مفید مشورے بھی دیئے اور میرے لئے بہت قیمتی مواد خود فراہم کر کے دیا۔

مولیٰ عزوجل ان کو اسکی میری طرف سے نیز اسلام و مسلمین کی طرف سے بہتر سے بہتر جزا عطا فرمائے۔ انھیں ان کے والد ماجد حضرت صدر الشریعہ قدس سرہٗ کا صحیح وارث بنائے اور ان کے فیوض و برکات سے اہلسنت کو زیادہ سے زیادہ استفادہ کا موقع عنایت فرمائے آمین ثم آمین۔

سوالات کی فہرست اس سے کہیں زیادہ طویل ہو سکتی تھی۔ مگر میں نے

صرف انھیں جگہوں پر سوالات کئے ہیں جن کی تنقیح کے بغیر اصل مسئلہ تشنی رہ جاتا رہ گئیں وہ جگہیں جن پر استفسار کئے بغیر بھی اصل مسئلہ پر کوئی خاص اثر نہیں پڑتا وہاں میں نے بالقصد استفسار نہیں کیا اگرچہ حضور والا کی تحقیق کے بموجب اس میں میری کتنی ہی تجہیل وتحمیق ہوتی ہو مجھے اپنی تجہیل وتحمیق پر وہ بھی ایک عظیم القدر عماد ملت کے قلم سے کوئی تکلیف نہیں لیکن اگر آپ کی صفائی ہی میں معاملہ برعکس ہو گیا تو میرے لئے بھی بہت تکلیف دہ و باعث شرم ہوگا۔

ازراہ ادب سرکار کے فرمودات کو "ارشاد" سے تعبیر کیا ہے، اور اپنے سوال کو "عرض" سے

اخیر میں اس دعا پر معذرت ختم کرتا ہوں کہ میری تحریر، میری تقریر میرے کردار، میرے گفتار پر کڑی نظر رکھنے اور ان پر تنقید برائے تحسین کرنے والے ان بزرگوں کا سایہ تادیر قائم رکھے اور ان کے فیوض و برکات سے مجھے اور تمام اہلسنت کو ہمیشہ متمتع فرمائے آمین ثم آمین۔ ایں دعا از من واز جملہ جہاں آمین باد۔

شب بست شوال المکرم ۱۳۹۳ھ
بمطابق نوزدہم نومبر ۱۹۷۳ء دوشنبہ

بِسْمِ اللّٰهِ الرَّحْمٰنِ الرَّحِيْمِ

سببِ تالیف

تَبٰرَكَ الَّذِيْ جَعَلَ فِي السَّمَآءِ بُرُوْجًا وَّجَعَلَ فِيْهَا سِرٰجًا وَّقَمَرًا مُّنِيْرًا ○ وَالصَّلٰوةُ وَالسَّلَامُ عَلٰى مَنْ اَرْسَلَهٗ اِلَى النَّاسِ كَافَّةً يَتْلُوْا عَلَيْهِمْ اٰيٰتِهٖ وَيُزَكِّيْهِمْ وَيُعَلِّمُهُمُ الْكِتٰبَ وَالْحِكْمَةَ وَيُطَهِّرُهُمْ تَطْهِيْرًا وَّعَلٰى اٰلِهٖ وَصَحْبِهٖ اَجْمَعِيْنَ ــــــ اَمَّا بَعْد

امریکہ اور روس کے خلا پیماؤں کے اس ادعا نے کہ ہماری خلائی کشتی "اپالو" اور "لونا" چاند تک پہنچ گئی۔ دنیائے اسلام میں ایک ہلچل پیدا کر دی ہے علمائے اسلام کا ایک طبقہ یہ کہہ رہا ہے کہ یہ سراسر جھوٹ اور فریب ہے۔ شرعاً عام انسانوں خصوصاً کفار کا چاند تک پہنچنا ناممکن ہے۔ اور جو اس کی تصدیق کرے کہ خلائی کشتی چاند تک پہنچ گئی وہ گمراہ ہے۔ اسے توبہ و تجدید ایمان کرنی چاہیئے۔

دوسرا طبقہ یہ کہتا ہے کہ چاند تک عام انسانوں کا پہنچنا اگرچہ وہ کفار ہوں ممکن ہے امریکہ اور روس والے جو کہہ رہے ہیں ان کی تصدیق میں کوئی شرعی نقص نہیں۔ تیسرا طبقہ یہ کہتا ہے کہ قرآن مجید میں اس کی بشارت موجود ہے کہ لوگ چاند تک پہنچیں گے اس پر وہ اپنے ذوق اور زعم کے مطابق استدلال کرتا ہے۔

میں نے کئی سال قبل ایک مضمون "خلائی سفر اور قرآن" کے عنوان سے سپرد قلم کر کے "نوری کرن" میں شائع کرا دیا تھا جو دو بار چھپا۔ اور مجھے خوشی ہے کہ وہ عوام و خواص سب میں مقبول ہوا۔

اب احباب کے علاوہ بہت سے بزرگوں کا اصرار ہے کہ اسی مضمون کو کتابی شکل میں شائع کرادو۔ میں عدیم الفرصتی اور بے مائگی کی وجہ سے اسے ٹالتا رہا۔ مگر عوام و خواص کے اصرار کے ساتھ ساتھ میں بھی اس کی ضرورت شدید بلکہ اشد محسوس کر رہا ہوں، اس لئے اپنے اشغال میں سے تھوڑا تھوڑا وقت نکال کر اس پر اضافہ کر کے اور اپنی ناقص تتبع کے بعد جو مفید معلومات میسر آسکیں اسے ناظرین کے سامنے پیش کر رہا ہوں۔ میں پہلے کی طرح اب بھی اس پر مصر نہیں کہ یہی حق ہے اس کے علاوہ باطل محض ہے۔ علما سے اصلاح کا طالب ہوں۔ ایضاح حق کے بعد مجھے اپنی رائے بدلنے میں کوئی عار نہیں۔ لیکن مجھ پر کوئی فتویٰ لگانے سے پہلے ضروری ہے کہ جو کچھ میں نے لکھا ہے۔ اسے بغور پڑھ لیا جائے۔ اور جہاں میں نے غلطی کی ہو۔ اسکی نشاندہی کر دی جائے۔

اصل مسئلہ پر گفتگو سے پہلے ضروری ہے کہ فلک اور اجرام فلکی کے بارے میں جگہ متقدمین اور متاخرین اہلِ یونان و اہل یورپ کے نظریات کو ذہن نشین کر لیا جائے۔ ساتھ ہی ساتھ قرآن و حدیث میں اس سلسلے میں جو کچھ مواد ملیں انھیں نظر میں رکھ لیا جائے۔ تاکہ اصل مسئلہ پر بحث کے دوران کوئی الجھن نہ پیدا ہو۔ اور جہاں سے لغزش کا امکان ہو بہت آسانی کے ساتھ اس کا پتہ چلا لیا جائے۔ نظریات پیش کرنے سے پہلے ناظرین کی دلچسپی کے لئے فن ہیئت کی مختصر تاریخ بیان کر دی جاتی ہے۔

محمد شریف الحق امجدی

۵ر دسمبر ۱۹۷۱ء

فنِ ہیئت کی تاریخ

ہیئت یا فلکیات بہت قدیم علم ہے۔ آنکھ کھولتے ہی چاند، سورج، ستارے اور ان سے آراستہ پیراستہ آسمان نظروں کے سامنے آجاتے ہیں، دن رات صبح و شام دوپہر آدھی رات، گرمی سردی رات اور دن کا چھوٹا بڑا ہونا ایسی چیزیں ہیں جن کے دوش بدوش انسان اپنی زندگی بسر کرتا ہے پھر یہ کیسے ممکن تھا کہ ان تمام اشیاء پر انسان غور نہ کرتا اور اس کو حل کئے بغیر چین پاتا، اسی لئے قدیم علوم کے خزانوں میں اور کچھ ملے یا نہ ملے مگر چاند، سورج، ستاروں کے بارے میں کچھ نہ کچھ معلومات ضرور ملتی ہیں۔ نجوم اور جوتش اسی انسانی کد و کاوش کا نتیجہ ہیں۔ علوم قدیم کا تاریخ داں جانتا ہے کہ سب سے پہلے نجوم کا فن بابل و نینوا" میں پھیلا پھر اس کے بعد ایران، ہندوستان اور چین کے پجاریوں پنڈتوں میں آیا۔ مگر اتنا خفیہ اور پوشیدہ کہ سوائے مخصوص خاندان اور افراد کے کسی کو اس کی ہوا بھی نہیں لگتی۔ اور اس فن کے ساتھ ہزاروں توہمات وابستہ تھے اور آج تک یہ توہمات کسی نہ کسی شکل میں موجود ہیں۔

پھر پانچویں صدی قبل مسیح میں کسی طرح یہ علم یونان پہنچا اور یونان کے فلاسفہ اپنی روش پر اس میں منہمک ہو گئے۔ انہوں نے آسمان کے متعلق وہ وہ سوالات اٹھائے جن کو ہر دور میں طرح طرح سے حل کرنے کی کوشش کی گئی اور آج تک ان میں کتنے کے جوابات غیر مکمل ہیں اور شاید ہمیشہ رہیں۔ چاند، سورج، ستارے کہاں ہیں؟ کیسے وجود میں آئے؟ یہ چمک کیسے رہے ہیں؟ کیسے فضا میں قائم ہیں؟ ان کی جسامت کیا ہے؟ یہ زمین سے کتنے فاصلہ پر ہیں؟ یہ حرکت کیوں

کرتے نظر آرہے ہیں؟

یونان میں غالباً "فیثا غورث" اور اس کے شاگردوں نے پہلے پہل افلاک کا باقاعدہ تصور باندھا۔ اور یہ خیال قائم کیا کہ چاند و سورج اور ستارے ایک ایک جرم میں جڑے ہوئے ہیں اور یہ اجرام ایک ہی مرکز پر حرکت کر رہے ہیں۔ فیثا غورث (Pythagoras) کے بعد ارسطو نے بھی اس کی تائید کی۔ ارسطو Aristotle کے بعد دوسری صدی قبل مسیح میں ایرخس پیدا ہوا۔ جسے عہد عتیق کا سب سے بڑا ہیئت داں مانا جاتا ہے۔ اس نے فیثا غورث کے نظریہ افلاک کی صرف تائید ہی نہیں کی بلکہ اس کو کافی ترقی دی۔ اور نئی معلومات کا اضافہ کیا۔ اعتدالین کو دریافت کیا۔ چاند اور سورج کی حرکتوں کی تشریح بتائی۔ ستاروں کی ایک فہرست مرتب کی۔ ثوابت اور سیارے کی تقسیم کی۔

ایرخس (ہپارکس Hipparchrs) کے بعد اسکندریہ (مصر) میں ایک مشہور فلسفی ماہر ہیئت پیدا ہوا جس کا نام بطلیموس (Ptolomy) تھا۔ اس نے بڑی عرق ریزی اور کدوکاوش کے بعد ایرخس کے کام کو تکمیل تک پہنچایا۔ اور نظریہ افلاک کی آخری تشکیل یہ کی۔

"بیچ میں زمین ہے، زمین کے اوپر پانی۔ پانی کے اوپر ہوا۔ ہوا کے اوپر نار۔ اور ان سب کے اوپر نو آسمان سارے عالم کو چاروں طرف سے گھیرے ہوئے ہیں۔ زمین کا مرکز سب آسمانوں کا مرکز ہے۔ اسی مرکز کے گرد سب آسمان حرکت کرتے ہیں۔ مگر زمین خود ساکن ہے۔ اس میں کسی قسم کی کوئی حرکت نہیں۔ بطلیموس نے اپنے پہلے کے ہیئت دانوں سے جو کچھ اخذ کیا تھا اور جو کچھ اپنی کدوکاوش سے حاصل کیا تھا۔ ان سب نظریات کو مفصل ایک کتاب میں جمع کر دیا جس کا نام المجسطی Almageslaynlaxio ہے۔ یہی ہیئت کی وہ معرکۃ الآرا کتاب ہے جو چودہ سو سال تک ہیئت دانوں کے نزدیک سب سے مستند بنیادی کتاب رہی۔

یورپ ان ایام میں اپنے دن رات جہالت کی تاریکی میں گزار رہا تھا۔ ایران، ہندوستان اپنی قدیم معلومات کو حرف آخر جانتے رہے۔ یہاں تک کہ چھٹی صدی عیسوی میں نیر اسلام طلوع ہوا اور دنیا کو علم و عرفان سے مالا مال کیا۔ ابتداءً مسلمان اسلام کی اشاعت اور اس سلسلے میں پیش آنے والی رکاوٹوں کو دور کرنے اور ساتھ ہی ساتھ اسلام کے اصول و فروع کے ضبط و اشاعت میں مصروف رہے۔

لیکن جب اسلامی تمدن میں عجمیت نے جگہ بنانی شروع کی اور اقوام عالم کے ساتھ خلط ملط کی بدولت مادہ پرستی چور دروازے سے مسلمانوں میں داخل ہونے لگی تو ان مادی علوم کا بھی ان کو چسکا لگ گیا۔ اور پھر اس کو اتنا فروغ دیا کہ آج کی دنیا بھی محو حیرت ہے جس کی اجمالی کیفیت یہ ہے۔

دوسری صدی ہجری مطابق آٹھویں صدی عیسوی میں منصور کے ہاتھ عنان حکومت آئی۔ یہ علم اور اہل علم کا بہت قدر داں تھا۔ اسی کے عہد میں احادیث و فقہ اور مغازی کی کثیر تصانیف وجود میں آئیں۔

دینی علوم کے ساتھ ساتھ اس کو مادی علوم کی بھی چاہت تھی۔ اور اسکے ماہرین کی ہمت افزائی میں کوئی کمی نہیں کرتا۔ جب اس نے بغداد بسا کر یہاں دارالسلطنت منتقل کر لیا۔ تو بغداد علوم و فنون کا دنیا میں سب سے بڑا مرکز بن گیا۔ اسی کے عہد ۱۵۶ھ میں ایک ہندو جوتشی جس کا نام مانکت (منکہ) تھا بغداد آیا اس نے نجوم پر ایک کتاب پیش کی جس کا عربی میں ترجمہ محمد بن ابراہیم الفزاری نے کیا جو سند ہند سے موسوم ہوا۔

اس نام کی وجہ یہ ہے کہ ہندوستان میں نجوم کی کتابوں کو سدھانت کہا جاتا تھا۔ اس کے کچھ ہی دنوں بعد اہل ایران کے زیچ کے رسالے عربی میں ترجمہ کئے گئے۔ زیچ میں اجرام فلکی کے مقامات، مقدار، رفتار، اوقات، طلوع و غروب، قران، مقابلہ، کسوف و خسوف کے ایسے

حسابات درج تھے، جن سے ان چیزوں کو قبل از وقت معلوم کر لیا جاتا تھا عربی میں اس کا نام زیج رکھا گیا۔

ہارون رشید کے عہد میں المجسطی کا پہلا عربی ترجمہ ہوا۔ اور جب اعتزال پسند مامون کا دور آیا۔ تو اس نے اپنی توجہ اس طرف پوری بندول کر دی۔ جس کے نتیجہ میں محمد بن موسیٰ خوارزمی نے سدھانت کا نیا ترجمہ کیا۔ توضیح کے لئے اس پر حواشی کا اضافہ کیا۔ اس کے دور میں حجاج بن مطر نے المجسطی کا دوسرا ترجمہ کیا۔ جو پہلے ترجمہ کے مقابلۃً بہت اچھا تھا۔

بغداد میں ان علوم و فنون کی تعلیم و تعلم کے لئے بیت الحکمۃ کا قیام ہوا۔ اسی کے تحت باب شمسیہ کے قریب ایک اعلیٰ درجہ کی رصدگاہ قائم ہوئی جس میں دنیا کے بہترین آلات رصدیہ موجود تھے۔ جندی میں اس سے پہلے ایک رصدگاہ قائم ہو چکی تھی۔ موسیٰ بن شاکر کے تین بیٹوں کی بغداد ہی میں الگ الگ رصدگاہیں تھیں۔ اسکے علاوہ دمشق کے باہر جبل قاسیون پر بھی ایک رصدگاہ تھی۔

ان رصدگاہوں سے مجسطی کی بیان کردہ باتوں کی چھان بین ہوئی اور اپنے مشاہدوں کی بنا پر سند ہند کے طرز پر نئی زیچیں مرتب کی گئیں۔ مامون ہی کے زمانے میں زمین کے محیط کی مساحت معلوم کرنے کا خیال اٹھا۔ مامون کے اشارے سے بنو موسیٰ اور دوسرے ماہرین نے قطب شمالی سے اندازہ کر کے اصول حساب کی مدد سے بتایا کہ زمین کا محیط ۲۰۴۰۰ اور قطر ۶۵۰۰ میل ہے۔ یہ اگرچہ صحیح نہیں مگر صحیح[1] سے اس قدر قریب ہے کہ ابتدائی کاوش میں اتنا بتا دینا بھی لائق صد ستائش ہے اور جب مسلمانوں کو فلکیات کا چسکہ پڑ گیا تو انھوں نے بطلیموس کی تقلید جامد نہیں کی بلکہ اپنے تجربے مشاہدے سے نئی معلومات حاصل کیں۔ اور اس فن میں مفید اضافے کئے۔ اگرچہ مسلمانوں کی

---

[1] صحیح یہ ہے کہ زمین کا قطر تقریباً آٹھ ہزار میل اور محیط چوبیس ہزار میل ہے۔

سلطنتوں میں تغیر و تبدل عروج و زوال ہوتا رہا مگر یہ فن سدا بہار رہا۔
یہاں تک کہ ابو العباس احمد فرغانی، ثابت بن قرہ حرّانی، ابو عبداللہ محمد جابر البتانی جیسے نامور ماہران فن پیدا ہوئے۔ بتانی اس درجہ کا ہیئت داں تھا کہ اگر اسے بطلیموس ثانی کہا جائے تو بجا ہے۔ اس نے اس فن میں اتنی محنت کی کہ حیرت ہوتی ہے! المجسطی میں چاند اور سیاروں کی حرکت کے متعلق کئی غلطیاں نکالیں۔ دائرۃ البروج کے میلان کا صحیح تعین کیا۔ سورج کے سالانہ دورے اور رفتار کا تعین معلوم کیا۔ غرضیکہ عربوں میں جب یہ فن آیا تو ہندوستان و ایران کی طرح قدما کی نہ تو اندھی تقلید کی گئی اور نہ اس پر قناعت اور نہ خاندانی مخفی خزانہ بنایا گیا۔ بلکہ قدما نے جو کچھ کہا تھا۔ اسکی تحقیق و تنقیح کی گئی۔ جو غلطی ان کی معلومات میں تھی اسے ظاہر کیا گیا اور صحیح معلومات کو ظاہر کیا گیا۔

مسلمان چونکہ ایک مذہبی قوم ہے۔ اسلئے اسے صرف مادی ہی نہیں رکھا بلکہ اس سے مذہبی امور میں آسانیوں کی راہ نکالی، سمت قبلہ، مواقیت صلوۃ کے لئے اصول وضع کئے۔ اور مستقل علم توقیت کی بنیاد ڈالی۔

مشرق میں یہ ہما ہمی تھی مگر یہ کوئی نہ سوچے کہ مغرب میں خاموشی تھی وہاں اندلس میں بغداد سے کم ان علوم و فنون کی ترویج کا چرچا نہیں تھا۔ ابو القاسم مسلمہ المجریطی قرطبہ کا اس پایہ کا منجم تھا۔ جس نے خوارزمی کی زیج میں کئی ضروری ترمیمیں کیں۔ ابو اسحاق، ابراہیم بن یحییٰ الزرقانی کو کون نہیں جانتا۔ جو رصد میں اپنا جواب نہیں رکھتے تھے۔ یہی وہ نامور ہیں جس نے اسطرلاب کو ترقی دے کر صفیحہ بنا دیا۔ جو رصد کے اہم آلات میں سے ہے۔

بارہویں صدی میں جابر ابن افلح نے کتاب الہیئت لکھی، اسمیں بطلیموس پر کئی اعتراض کئے۔ اسی کے اہتمام سے ۱۱۹۰ء میں اشبیلیہ کا مشہور مینار تعمیر ہوا۔ جس پر اب گرجے کی گھنٹیاں لٹکی ہوئی ہیں۔ یہ یورپ میں پہلی

رصدگاہ تھی۔

اخیر میں نورالدین ابواسحاق البتروجی نے اس فن کو اوج کمال تک پہنچا دیا۔ اس کی بھی کتاب الہیئت ہے۔ اس میں نئی نئی دریافت کا تذکرہ ہے۔ جو بطلیموس کی تحقیقات سے مختلف ہیں۔

اس کا مطلب یہ ہے کہ یہ منجم متقدمین کے مقلد نہ تھے۔ بلکہ محقق تھے اگلی مسطورات میں جو کچھ پاتے۔ اس کو پرکھتے۔ صحیح ہوتیں تو مانتے ورنہ رد کر دیتے یہی نہیں بلکہ سیکڑوں دریافتیں کیں۔ اضافے کئے۔ آلات ایجاد کئے۔ مبہم باتوں کی تفصیل کی گنجلک بیانات کی توضیح کیں مشکل فن کو آسان کرنے کی کوشش کی اس کی نشر و اشاعت میں بھی بخل نہیں کیا۔

بغداد، اندلس کے علاوہ جب مصر میں فاطمیوں کا تغلب ہوا تو انھوں نے بھی اس فن کی سرپرستی میں کوئی کمی نہیں کی۔ علی بن یونس ابوالعلی الحسن الہیثم اس دور کے نامی گرامی منجم ہیں۔

سلاطین عباسیہ کے دور انحطاط میں سلاطین اگرچہ آپس میں لڑتے رہے مگر اس فن کی قدردانی سے کبھی غافل نہیں رہے۔ محقق طوسی، عمر خیام، ابو ریحان البیرونی سے کون واقف نہیں۔ عمر خیام اور ان کے ساتھیوں کا وہ کارنامہ ہے کہ اگر یورپ تنگ نظری سے کام نہ لیتا تو گریگوری تقویم کی جگہ ان کی تقویم دنیا میں رائج ہوتی۔ عمر خیام وغیرہ نے "تاریخ جلالی" نام کی تقویم تیار کی جو جلال الدین ملک شاہ اور اس کے نامور وزیر نظام الملک کی علم پروری کی رہین منت ہے۔ "تاریخ جلالی" کا سن گریگوری تقویم سے بھی زیادہ صحیح ہے۔ گریگوری تقویم میں اصل شمسی سال کے حساب سے عیسوی سن میں ۳۳۳ برس میں ایک دن کا فرق پڑتا ہے مگر جلالی میں ۵۰۰۰ برس میں۔ ان کے علاوہ مشرق میں کندی، فارابی، ابن سینا اور مغرب میں ابن باجہ، ابن طفیل، ابن رشد دنیا کے وہ مسلم الثبوت منجم ہیں۔ جن کی گراں قدر کدو کاوش سے

علم الافلاک کا کوئی ماہر انکار نہیں کر سکتا۔ تیرہویں صدی عیسوی میں فتنہ تاتار نے ممالک اسلامیہ کو زیر وزبر کر ڈالا علوم وفنون کے اہم مراکز سمرقند، بخارا، بلخ ہرات، نیشاپور زمین کے برابر کر دیئے گئے ۱۲۵۸ء میں بغداد کی اینٹ سے اینٹ بجادی گئی۔ اور عباسیوں کا پانچ سو سالہ جاہ وجلال قصہ پارینہ بن گیا۔

مسلمانوں کی تباہی وبربادی سے فارغ ہونے کے بعد ہلاکو نے ۱۲۵۹ء میں آذربائیجان کے قریب مراغہ میں ایک رصدگاہ قائم کی جس کے کھنڈر اب تک باقی ہیں۔ اس رصدگاہ کے آلات تمام دنیا میں یکتا تھے اس کے قریب ہی ایک کتب خانہ تھا جس میں چار لاکھ کتابیں تھیں جو ممالک اسلامیہ کی لوٹ سے حاصل ہوئی تھیں۔ ہلاکو نے اپنی وفاداری کے انعام میں اس رصدگاہ کا انتظام مشہور فلسفی محقق طوسی کو سپرد کیا۔ اس نے اپنے آقائے نعمت کے نام سے معنون زیج الخانی مرتب کی۔

پندرہویں صدی عیسوی میں تیمور لنگ کے پوتے الغ بیگ کے عہد میں زیج الغ بیگی تیار ہوئی جس کے ترجمے یورپ میں عرصہ دراز تک استعمال ہوتے رہے۔ اسی کے زمانہ میں ستاروں کی فہرست میں کچھ نئے ناموں کا اضافہ ہوا۔

یہ ساری کدوکاوش تحقیق وتدقیق اگرچہ نئی نئی معلومات کا سبب بنیں۔ مگر سب کا محور بطلیموس کا نظریہ ہی تھا۔ یعنی زمین مرکز ہے اور آسمان اس کے گرد حرکت کرتے ہیں بطلیموس سے اگر کسی نے اختلاف کیا تو صرف حرکت فلک کی کیفیت اور مقدار وغیرہ میں، مگر بطلیموس کے نظریہ کے خلاف کسی کو کچھ کہنے کی جرأت نہ ہوئی یہ نظریہ تمام دنیا میں ایسا پھیلا کہ گردش فلک، فلک دوار، فلک کج رفتار روزمرہ کے محاورات میں گھل مل گئے یہی نہیں بلکہ اس دور میں اس کے نظریہ کے مطابق آیات کریمہ کی توجیہات کی گئیں بطلیموس نے کہا نو آسمان ہیں۔ لوگوں نے کہنا شروع کیا کہ فلک تو سات ہی ہیں مگر عرش وکرسی مل کر نو ہوگئے۔ اس نے کہا ثوابت آٹھویں فلک میں ہیں۔ تو مفسرین نے

کہنا شروع کیا ہاں عرش و کرسی میں ہیں۔ اس قسم کی متعدد تطبیقات دی گئیں۔ اس کا اثر یہ ہوا مسلمانوں کا یہ عقیدہ راسخ ہو گیا کہ چاند و سورج ستارے آسمانوں میں ہیں۔ اور اس کو اتنا قطعی سمجھ لیا گیا کہ اس کے خلاف کچھ کہنا کفر کا فتویٰ مول لینے کے مرادف ہو گیا۔

اور یہ صرف مسلمانوں کا عالم نہیں تھا بلکہ تمام مذاہب کی یہی حالت تھی۔ گلیلو نے جب اپنا نظریہ پیش کیا تو کلیسا نے اسے ملحد قرار دے کر سخت سے سخت سزائیں دیں۔

بطلیموس کا نظریہ ترقی کرتے کرتے اپنے اوجِ کمال کو پہنچ چکا تھا اس کی ایک ایک نوک پلک درست کی جا چکی تھی اور یہ نظریہ فنی حیثیت سے بھی اتنا آگے بڑھ چکا تھا۔ کہ اس میں کسی اضافہ کا سوال ہی نہیں تھا۔ اور پوری دنیا اسکے آگے سرِ تسلیم خم کئے ہوئے تھی۔

عربوں کا سارا سرمایہ ترجمہ ہو کر لاطینی اور یورپ کی دوسری ترقی یافتہ زبانوں میں منتقل ہوتا رہا۔ اور اہل یورپ کو بھی سولہویں صدی تک اسے تسلیم ہی کرنا پڑتا تھا کہ اچانک ۱۵۴۳ء میں پولینڈ کے مشہور منجم کوپرنیکس Copernicus نے بطلیموس کے نظریہ کے خلاف دوسرا نظریہ پیش کیا کہ عالم کا مرکز زمین نہیں بلکہ سورج ہے۔ اور دیگر سیاروں کی طرح زمین بھی سورج کے گرد حرکت کرتی ہے۔

یہ نظریہ کوپرنیکس کا اختراعی نہیں۔ اس سے سیکڑوں سال پہلے بلکہ بطلیموس سے بھی پہلے ارسٹاکس Aristarchus اور دو ایک دوسرے یونانی فلسفیوں کا بھی یہی خیال تھا لیکن بطلیموس نے اپنے زورِ بیان اور استدلات سے اس نظریہ کو نسیاً منسیاً کر دیا تھا۔ کوپرنیکس نے اس نظریہ کو جسے نظامِ شمسی کہا جاتا ہے دوبارہ زندہ کیا۔ اسکے بعد جرمن کے کیپلر Kepler نے اور اطالیہ کے گلیلو Galilio نے سترہویں صدی عیسوی میں اس نظریہ کے تاریک گوشے اجاگر کئے اور اس کی الجھی ہوئی گتھیوں کو سلجھایا۔ کیپلر نے سورج کے گرد سیاروں

کی گردش کے اصول مدون کئے اور یہ ثابت کیا کہ یہ گردش گروی نہیں۔

گلیلو نے دوربین کی مدد سے اس نظریہ کو اور مستحکم کرنے کی کوشش کی۔ گلیلو ہی نے اپنی دوربین کی مدد سے سورج کے دھبے، چاند کے پہاڑ، مشتری کے چاند، زحل کے حلقے، زہرہ کی مختلف ہیئتیں۔ کہکشاں کی گرد میں ان گنت ستارے دیکھے۔

اس صدی (۱۶۴۲ء) میں لنکوتشایر اولیستھورپ (برطانیہ) کے اندراسی سال جس سال گلیلو مرا نیوٹن پیدا ہوا جس کے بارے میں کہا جاتا ہے کہ اس نے کائنات کے مابین کشش ثقل Newton's Gravitational Law کو دریافت کیا اور بتایا کہ کائنات کا سارا نظام ایک دوسرے کے مابین کشش ثقل کی بنا پر قائم ہے۔ کشش ثقل اگرچہ نیوٹن کی دریافت نہیں مگر اس کی مکمل تشریح نیوٹن ہی نے کی۔ اور ثابت کیا کہ کیپلر نے ستاروں کی گردش کے جو قاعدے وضع کئے ہیں وہ کشش ثقل ہی کی بنیاد پر منطبق ہیں۔ نیوٹن نے دوربینوں میں نئی نئی اختراعیں کیں۔ پھر بعد میں ولیم ہرشل Williem Hershel نے بہت بڑی دوربینیں بنائیں جن کے ذریعہ سات سیاروں کے علاوہ آٹھواں سیارہ یورے نس دیکھا گیا۔

اور پھر بعد میں ایک اور سیارہ نپ ٹیون دیکھا گیا۔ اس طرح سیاروں کی تعداد نو ہو گئی۔ پھر آلات رصد میں دن بدن ترقیاں ہوتی گئیں۔ اور آج یہ عالم ہے کہ آج کا سائنسداں چاند، سورج دیگر سیاروں کے ذرہ ذرہ کی بات بتلانے لگا ہے۔ اور اب تو امریکہ کے خلائی مسافرین نے چاند کی چٹانوں کے ٹکڑے دنیا کو دکھا بھی دیں۔ اور سیاروں کے حجم، قطر، مسافت کی بات اس طرح کی جاتی ہے جیسے اپنے ہاتھ کے بنائے ہوئے گھر کی۔

موجودہ دور کا ماہر ریاضی منجم آئن اسٹائن Aien Astain نے اپنی انتھک محنت اور محیر العقول تحقیق سے ساری دنیا کو ایسا مسخر کر لیا ہے کہ اس

کی بات حرفِ آخر مانی جانے لگی ہے۔ اس نے کیپلر کا کسی قدر اختلاف بھی کیا ہے۔ مگر وہ اختلاف بالکل ایسا ہی ہے، جیسے بطلیموس کا البتانی وغیرہ کا جن کو اختلاف نہیں بلکہ تنقیحات کہنا بجا ہے۔ آج یورپ اپنے مادی ذرائع کی فراوانی کی بدولت ایسی ایسی دوربینیں ایجاد کر چکا ہے کہ آپ کو حیرت ہوگی۔ ساٹھ ساٹھ اور بہتر بہتر انچ لمبی اور چالیس چالیس انچ قطر کی دوربینیں امریکہ کی رصد گاہوں میں لگی ہوئی ہیں جن کی مدد سے خلا کی کائنات کو یوں دیکھتے ہیں۔ جیسے ہم اپنے گھر کے صحن میں پڑی کسی چیز کو۔ چنانچہ انھیں دوربینوں سے مریخ کے چاند اور مریخ کی نہریں دیکھی گئیں۔ سورج کے وہ ایٹمی ذرے دیکھے گئے جو سورج کے اجزائے ترکیبیہ ہیں۔ انھیں سے ۱۹۳۰ء میں ایک اور سیارہ پلوٹو دیکھا گیا۔

ابھی کیا کیا دیکھیں گے۔ بتانا مشکل ہے لیکن اتنا ضرور ہے کہ جس طرح بطلیموس کا نظریہ دو ہزار سال ساری دنیا کے ہیئت دانوں کا معتمد رہا مگر کیپلر اور گلیلیو نے اسے رد کر دیا اسی طرح کیپلر اور گلیلیو کی تھیوریاں بھی قصۂ پارینہ بن جائیں گی۔

یہ علم الافلاک کی ایک مختصر سی تاریخ تھی۔ جس سے آپ اندازہ لگائیں گے کہ انسانی معلومات کتنی تغیر پذیر ہیں۔ اور ان میں ردوبدل کے امکانات کتنے زائد ہیں، امکانات ہی نہیں بلکہ ان میں ردوبدل، ترمیم و تنسیخ کتنے واقع ہوئے اور واقع ہوتے رہیں گے۔ بطلیموس نے سات سیارے بتلائے اور ان کو سامنے رکھ کر اس نے نو آسمانوں کا قول کیا۔ اب کہا جا رہا ہے کہ سیارے نو ہیں۔ تو آج بطلیموس اگر زندہ ہوتا تو بجائے نو کے گیارہ آسمان کا قول کرتا کہ نہیں؟ یہ تو ہم نہیں کہہ سکتے مگر اس کے نظریہ کو تسلیم کرنے والوں کے لئے ضروری ہے کہ وہ اب نو کے بجائے گیارہ آسمان مانیں لیکن ان لوگوں سے جو فلسفیوں کی ہر بات پر ارشاداتِ ربانیہ کو منطبق کرتے ہیں۔ میرا یہ سوال ہے کہ نو

آسمان کی تعداد عرش و کرسی سے پوری کر دی گئی تھیں۔ اب گیارہ آسمان کی کمی کس سے پوری کریں گے؟ حقیقت یہ ہے کہ جوں جوں بھی سائنس کے ہر دعویٰ کو قرآن پر منطبق کرنے کی سعی کریں گے۔ وہ ہمیشہ ٹھوکر کھائیں گے۔ اس لئے ہمیں ان پیچ در پیچ طلسم میں پڑنے کی ضرورت نہیں خصوصاً جب کہ بہت لطیف پیرایہ میں ہمیں اس سے روکا گیا ہے۔ صحابہ کرام نے دریافت کیا کہ یہ چاند کیوں غائب ہو جاتا ہے۔ پھر کیوں باریک ناخن کی طرح نظر آتا ہے اور رفتہ رفتہ بڑھ کر مکمل ہو جاتا ہے پھر گھٹتے گھٹتے کیسے غائب ہو جاتا ہے؟ تو جواب ملا۔ قُلْ هِيَ مَوَاقِيتُ لِلنَّاسِ وَالْحَجِّ (قرآن) فرمادو یہ لوگوں کے لئے اوقات خصوصاً حج کا وقت جاننے کا ذریعہ ہے۔ اشارہ اس طرف ہے کہ مت پوچھو کہ اسکی علت کیا ہے۔ یہ پوچھو کہ اس کا فائدہ کیا ہے۔

آپ کو حیرت ہوگی کہ خواہ بطلیموس کا نظریہ مانیں خواہ کیپلر کا، نتیجہ ایک ہے کہ شمسی سال تین سو ساٹھ دن کا اور قمری سال تین سو چپن دن کا تقریباً ہوتا ہے پھر اس میں سر کھپانے کی کیا حاجت کہ دن رات گرمی سردی خزاں بہار کا تغیر و تبدل زمین کی حرکت سے ہوتا ہے یا سورج کی حرکت سے۔

حکمائے یونان کا نظریہ

وہ نظریہ جو ہزارہا سال تک پوری دنیا کا معتقد رہا ہے وہ یہ ہے کہ زمین پوری کائنات کا مرکز ہے اور چاند سورج اور تمام ستارے آسمانوں میں جڑے ہوئے ہیں۔

یہ پہلے بتایا جا چکا ہے کہ افلاک کا تصور سب سے پہلے فیثاغورث اور اس کے شاگردوں نے قائم کیا۔ بعد میں ارسطو وغیرہ نے بھی اس کی تائید کی دوسری صدی قبل مسیح میں ہپارکس (ایرخس) نے اس کو آگے بڑھایا اعتدال کا پتہ چلایا، چاند و سورج کی حرکتوں کی تشریح کی ستاروں کی ایک فہرست مرتب کی۔

لیکن فیثاغورث، ارسطو، ایرخس کی ساری معلومات ابتدائی ہی کہی جا سکتی ہیں۔ تاہم اس کی اہمیت سے انکار نہیں کیا جا سکتا۔ انھوں نے جو کچھ بتایا۔ شروع میں اتنا بتانا بھی آج کی سیکڑوں دفتروں کی بھری ہوئی معلومات پر بھاری ہے۔ اس نظریہ کو جس نے اتنا امتداد بخشا وہ اسکندریہ کا باشندہ اور عالم حکیم بطلیموس ہے۔ اسی لئے یہ نظریہ اسی کے نام سے معنون ہے یہ نظریہ اتنی کثیر اور پُرپیچ تشریحات پر مشتمل ہے کہ ان سب کو بیان کرنے کے لئے پورا دفتر درکار ہے۔ اور اس کا سمجھ لینا اتنا مشکل ہے کہ موجودہ دور میں چند ہی نفوس ملیں گے۔ جو اسے کما حقہ اپنے ذہن میں بٹھا سکیں۔ صرف تعارف کے لئے اس نظریہ کی بنیادی باتیں معروض ہیں۔

اس نظریہ کے مطابق ساری کائنات کے بیچوں بیچ میں زمین ہے

زمین ہی کا مرکز ساری کائنات حتیٰ کہ آسمانوں کا بھی مرکز ہے۔ زمین خود ساکن ہے۔ مگر آسمان حرکت کرتے ہیں۔ چونکہ چاند و سورج ستارے آسمانوں میں جڑے ہوئے ہیں۔ اس لیے آسمان کے ساتھ وہ بھی متحرک نظر آتے ہیں۔ زمین کے اوپر پانی ہے زمین اور پانی کا فطری مقتضیٰ تو یہ تھا کہ زمین کا پورا کرہ پانی میں ڈوبا رہتا اور پانی اسے چاروں طرف سے گھیرے رہتا۔ خشکی کا کوئی حصہ پانی سے اوپر نہ ہوتا۔ مگر واقعہ میں ایسا نہیں۔ بلکہ پانی جانب جنوب ڈھلکا ہوا ہے اس لئے زمین کا شمالی حصہ پانی کے اوپر ہے۔ جو انسان اور بری حیوانات و نباتات کا مولد و مسکن ہے۔ اگر ایسا نہ ہوتا تو انسان حیوانات و نباتات بری کا سکرے سے وجود ہی نہ ہوتا۔ پانی کی جانب جنوب ڈھلک جانے کی وجہ سے زمین اور پانی کے اوپر ہوا کا مسکن ہے۔ کرۂ ہوا چاروں طرف سے زمین اور پانی کو گھیرے ہوئے ہے۔ کرۂ ہوا کے، ہوا کے مزاج کی کیفیت کے اعتبار سے چار طبقات ہیں۔

طبقۂ اولیٰ جو زمین سے متصل ہے۔ یہ زمین کے موسمی اثرات سے کبھی سرد کبھی گرم کبھی تر کبھی خشک کبھی معتدل رہتا ہے بلکہ ایک ہی موسم میں مختلف مقامات کی ہوا مقامی اثرات کی بنا پر مختلف مزاج رکھتی ہے۔

طبقۂ ثانیہ اس طبقہ کی ہوا ہمیشہ اپنے طبعی مزاج پر گرم و تر رہتی ہے اسی طبقہ میں شہاب ثاقب پیدا ہوتے ہیں۔

طبقۂ ثالثہ اس طبقہ کی ہوا انتہائی سرد ہے۔ اسی کو طبقہ زمہریریہ کہتے ہیں، اس میں بادل بجلی وغیرہ پیدا ہوتے ہیں۔

طبقۂ رابعہ اس طبقہ کی ہوا کرۂ نار سے اتصال کی وجہ سے آگ کی گرمی سے متاثر ہو کر طبعی مزاج کے اعتبار سے جتنی گرم ہونی چاہیے اس سے بہت زیادہ گرم ہو گئی ہے۔ اس میں دُمدار ستارے نمودار ہوتے ہیں۔ ہوا کے اوپر کرۂ نار ہے۔ کرۂ نار ہی فضا کا وہ مقام ہے جس میں نیزہ نما

ستارے اور دُمدار ستارے پیدا ہوتے ہیں۔

آگ مستقل عنصر ہے یا نہیں؟ اس بارے میں دو رائیں ہیں جبکہ لئے مشائین اور جمہور متاخرین اس کے قائل ہیں۔ یہ پانی اور ہوا کی طرح مستقل اور ان سے علیحدہ چوتھا عنصر ہے۔ یہ لوگ آگ کو اپنے طبعی مستقر میں کروی شکل پر مانتے ہیں، جس کا محدب اور مقعر متوازی ہے، اشراقین اور ابو اسحٰق کندی، ابو ریحان البیرونی اور شیخ مقتول صاحب حکمۃ الاشراق، اسے ہوا سے علیحدہ مستقل عنصر نہیں مانتے بلکہ یہ کہتے ہیں کہ حقیقت میں ہوا ہی ہے جو فلک اول کی تیز رفتاری سے شدید گرم ہو گئی ہے اسی لئے یہ لوگ نار کو کروی شکل نہیں مانتے بلکہ ایلیلجی یا اہلیلجی کے مشابہ مانتے ہیں جو خط استوا پر دبیز اور موٹی ہے اور قطبین کے قریب پتلی بلکہ ایک قول پر قطبین کی قریب اس کا وجود ہی نہیں۔ اس کا سبب یہ ہے کہ خط استوا پر فلک کی حرکت بہت تیز ہے اور جوں جوں خط استوا سے قطبین کی طرف بڑھے اس کی حرکت سست ہوتی گئی ہے۔ یہاں تک کہ قطبین پر ختم ہو گئی ہے۔ جہاں حرکت جتنی زیادہ تیز ہے وہاں اسی حساب سے ہوا میں دور تک گرمی پیدا ہوتی ہے۔ اور جوں جوں حرکت کم ہوتی جاتی ہے اس کی مقدار بھی گھٹتی جاتی ہے۔

عناصر اربعہ میں یہ ترتیب انھوں نے عناصر کے ثقیل اور خفیف ہونے کی بنا پر رکھی ہے چونکہ آگ ان سب سے زیادہ ہلکی ہے اس لئے اس کا طبعی مستقر سب سے اوپر ہے۔ ہوا آگ سے کم خفیف ہے اس لئے وہ آگ سے نیچے ہے۔ پانی ہوا سے زیادہ وزنی ہے اس لئے اس نے اپنی جگہ ہوا کے نیچے بنائی زمین ان سب سے ثقیل تر ہے۔ اس لئے اس کا طبعی مکان مرکز عالم سے متصل ان تینوں کے نیچے ہے۔

کرۂ نار کے بعد تو یہ تو آسمانوں کا سلسلہ ہے جن کی تعداد نو ہے پہلا آسمان چاند کا ہے۔ دوسرا عطارد کا۔ تیسرا زہرہ کا۔ چوتھا سورج کا۔ پانچواں مریخ

کا۔ چھٹا مشتری کا۔ ساتواں زحل کا۔ آٹھواں ثوابت کا۔ نواں فلک اطلس۔ ہے۔ جس میں کوئی سیارہ یا ثابتہ نہیں۔ یہ چونکہ سارے افلاک کے اوپر ہے اس لئے اس کو فلک اعلیٰ بھی کہتے ہیں۔ سب افلاک سے بڑا بھی ہے اس لئے اس کو فلک اعظم بھی کہتے ہیں۔ اور یہ کائنات کی آخری سرحد ہے۔ اس کے بعد کچھ نہیں۔ اس لئے اس کو محدد جہات بھی کہتے ہیں۔ کل کروں کی تعداد تیرہ ہوئیں یہ سارے کرے ایک دوسرے سے تہہ بتہہ اس طرح چپکے ہوتے ہیں۔ جیسے پیاز کا چھلکا ایک کے اوپر دوسرا پھر تیسرا درمیان میں کوئی خلا نہیں۔ ہر نیچے والے کا محدب اوپر والے کے مقعر سے متصل ہے۔ ان سب کا استقرار اپنی اپنی جگہ اس بنا پر ہے کہ ان سب کا مرکز ایک ہے۔ جسے مرکز عالم کہتے ہیں۔ اور چونکہ سب کے سب کروی شکل کے ہیں۔ اس لئے ہر طرف سے ان کا کھنچاؤ ایک ہی نقطہ پر مساوی قوت سے ہے۔ مرکز کی جانب ان کا یہی جھکاؤ انھیں نیچے اوپر دائیں بائیں ٹلنے سے روکے ہوئے ہے اور ایک جگہ استقرار پر مجبور کئے ہوئے ہے۔

نو آسمان ماننے کی وجہ یہ ہوئی کہ ان کا خیال یہ ہے کہ ستارے سب کے سب آسمانوں کے ثخن میں جڑے ہوئے ہیں۔ ستارے دو قسم کے ہیں ایک سیارے جو ہمیں حرکت کرتے ہوئے دکھائی دیتے ہیں دوسرے ثوابت جو ایک ہی جگہ قائم نظر آتے ہیں۔ ان میں ذاتی حرکت محسوس نہیں ہوتی۔ انھوں نے اپنے طور پر یہ اندازہ لگایا کہ ساتوں سیارے زمین سے مختلف فاصلے پر ہیں۔ چاند سب سے قریب ہے۔ اس کا فاصلہ زمین سے زیادہ سے زیادہ ڈھائی لاکھ میل ہے اور سورج کا فاصلہ زمین سے ۹ کروڑ تیس لاکھ میل ہے۔ علیٰ ہذا القیاس اگر یہ سب ایک آسمان میں ہوتے تو یہ سب ایک ہی فاصلے پر ہوتے۔ یا فاصلہ کی مقدار اتنی متفاوت نہ ہوتی نیز سیاروں کی اپنی ذاتی حرکت الگ الگ ہے مثلاً سورج کی ذاتی حرکت مغرب سے جنوب کی طرف اور جنوب سے شمال

کی طرف ہے۔ چاند کی ذاتی حرکت مغرب سے مشرق کی طرف ہے۔ اگر یہ سب ایک آسمان میں ہوتے تو ان کی ذاتی حرکت میں یہ اختلاف نہ ہوتا۔ اس لئے ماننا پڑے گا کہ یہ سب الگ الگ مختلف آسمانوں میں ہیں۔ سیارے سات ہیں۔ اس لئے ان کے لئے سات آسمان ہوئے۔ ثوابت کی ذاتی حرکت یکساں ہے۔ مگر ان سیاروں سے الگ ہے۔ اس لئے سیاروں سے علیحدہ ایک اور آسمان ان کے لئے ماننا پڑا۔

ثوابت ہوں یا سیارے ان سب کی ذاتی حرکت کے علاوہ ایک یومیہ حرکت بھی ہے جس کے اثر سے سورج مثلاً روز مشرق سے نکلتا ہے اور مغرب میں ڈوبتا ہے۔ یہ حرکت قسری ہے۔ اور فلک الافلاک کی ذاتی حرکت کے دباؤ سے ہے اس لئے آٹھ کے علاوہ نواں فلک بھی ماننا پڑا۔ اس طرح افلاک کی تعداد نو ہوئی۔ زمین اپنی جگہ ساکن ہے۔ اس میں کسی قسم کی کوئی حرکت نہیں نہ وضعی نہ ارادی نہ قسری نہ طبعی نہ ذاتی نہ عرضی۔ زمین کے علاوہ دیگر عناصر میں قسری حرکت ہوتی رہتی ہے۔

اسی طرح ہوا میں بھی حرکت ہوتی ہے۔ کبھی پورب سے پچھم چلتی ہے کبھی پچھم سے پورب کبھی اتر سے دکھن، کبھی دکھن سے اتر۔ مگر یہ حرکت طبعی نہیں بلکہ عوارض خارجیہ کے اثر سے ہے۔

آسمان البتہ متحرک ہیں۔ ان کی حرکت وضعی گردی ہے، اپنی جگہ قائم رہتے ہوئے حرکت کرتے رہتے ہیں۔ اس طرح کہ نہ ان کا مرکز بدلتا ہے، نہ قطبین بدلتے ہیں۔ ان میں فلک الافلاک صرف ایک حرکت کرتا ہے۔ پورب سے پچھم، یہ حرکت چوبیس گھنٹے میں پوری ہوتی ہے۔ دیگر تمام افلاک چونکہ فلک الافلاک کے تابع ہیں۔ اس لئے اس کے ساتھ بقیہ تمام افلاک بھی روزانہ پورب سے پچھم حرکت کر جاتے ہیں۔ اسی حرکت کے نتیجہ میں دن، رات، صبح و شام، دوپہر، آدھی رات ہوتی ہے۔ غرض کہ یومیہ

حرکت تمام افلاک میں سب سے تیز ہے۔ یعنی یہ ہے کہ فلک الافلاک کی اپنی حرکت سب سے تیز ہے اور بقیہ سب کی قسری ہے۔ اسی حرکت کو دورۂ یومیہ کہتے ہیں۔

فلک الافلاک کے علاوہ بقیہ افلاک میں اس یومیہ گردش کے علاوہ دوسری حرکتیں بھی ہیں۔ جن میں سب سے واضح دو آسمانوں کی حرکتیں ہیں۔ ایک فلک چہارم کی، جس میں "سورج" ہے۔ دوسرے فلک اول کی جس میں "چاند" ہے۔ اس لئے ہم انھیں دونوں کی حرکتیں تفصیل سے لکھتے ہیں۔

چاند و سورج اور دیگر سیاروں اور ثوابت کی حرکات کی گتھیوں کو سمجھنے کے قریب کرنے کے لئے ہیئت دانوں نے آسمانوں میں دس دائرے اور بارہ بروج فرض کئے ہیں۔ ان سب کو بیان کرنے کی نہ یہاں ضرورت ہے اور نہ ان کا ذہن میں اتار لینا ہر شخص کا کام ہے۔ اس لئے یہاں بقدر ضرورت صرف دو دائرے اور بارہ بروج کا ذکر کر دیا جاتا ہے۔ بغیر ان دونوں کے ذہن میں رکھے ہوئے چاند و سورج کی حرکتیں سمجھ میں آ ہی نہیں سکتیں۔

دائرۂ معدل النہار

فلک الافلاک کے بیچوں بیچ ایک خط فرض کیجئے جو پورے آسمان کو محیط ہو۔ اسی کو دائرۂ "معدل النہار" کہا جاتا ہے۔ اس دائرہ کا مرکز عالم ہے اور اس کے دونوں قطب عالم کے قطبین ہیں۔ جن میں سے شمالی قطب کے قریب وہ مشہور تارا ہے جسے قطب تارہ کہا جاتا ہے۔ جنوبی قطب ہمارے افق کے نیچے ہونے کی وجہ سے نظر نہیں آتا۔ اگر اس دائرہ سے کوئی پتھر پھینکیں تو زمین پر جہاں وہ پتھر گرے گا۔ وہ خط استوا کہلاتا ہے۔ چونکہ اس خطے میں دن رات عموماً برابر رہتے ہیں۔ نیز جب سورج اس خط پر پہنچتا ہے تو عموماً بلاد عالم میں دن و رات برابر ہو جاتے ہیں۔ اس لئے اس دائرہ کو "معدل النہار" اور اس کے محاذی زمین پر مفروض خط کو خط استوا کہتے ہیں۔

....

دائرۃ البروج دائرہ معدل النہار سے ۲۳ ½ درجے[1] شمال اور ۲۳ ½ درجے جنوب میں ہٹ کر ایک حمائلی طرز کا دائرہ فرض کیجئے۔ جو معدل النہار کے برابر ہو اور پورے آسمان پر گزرتا ہو۔ اس کا مرکز عالم کے مرکز سے علیحدہ نہ ہوگا مگر اس کے قطبین، عالم کے قطبین سے ماسوا ہوں گے۔ یہ دائرۃ البروج ہے۔

منطقۃ البروج ذرا سا غور کرنے پر واضح ہو جائے گا دائرۃ البروج کے دو سرے ہیں، ایک شمالی دوسرا جنوبی، ان دونوں سروں کے درمیان چاند و سورج دیگر سیارے سیر کرتے ہیں جسے یہ لوگ منطقۃ البروج کہتے ہیں۔ اور اسی کو بارہ برجوں میں تقسیم کیا گیا ہے۔

بارہ بروج قدیم فلاسفہ کی قوت متخیلہ بہت تیز تھی۔ انھوں نے ستاروں کے اجتماع کی ہیئت پر مختلف جانوروں و انسانوں کی تصویریں بنا لیں۔ اور اسی تصویر پر آسمان کے اس حصہ کا جس میں یہ ستارے ہیں۔ نام رکھ دیا یہ تعداد میں بارہ ہیں حمل[1]، ثور[2]، جوزا[3]، سرطان[4]، اسد[5]، سنبلہ[6]، میزان[7]، عقرب[8]، قوس[9]، جدی[10]، دلو[11]، حوت[12]۔

اب آیئے سورج کی رفتار ذہن میں بٹھایئے۔ سورج ۲۱ مارچ کو دائرہ معدل النہار پر ہوتا ہے۔ پھر رفتہ رفتہ شمال کی طرف سرکتا ہے۔ معدل النہار سے ۲۳ ½ درجے اوپر تک جاتا ہے یہی سورج کے شمال کی طرف جھکاؤ کا انتہائی نقطہ ہے۔ یہاں ۲۱ جون کو پہنچتا ہے۔ پھر ۲۲ جون سے دکھن کی طرف واپس ہونے لگتا ہے اور ۲۲ ستمبر کو پھر معدل النہار پر آجاتا ہے اس کے بعد جنوب کی طرف چلتا ہے ۲۲ دسمبر کو معدل النہار سے ۲۳ ½ درجے کی دوری تک پہنچ کر اوپر واپس ہونے لگتا ہے جانب شمال سورج کے

---

[1] یہ تقریبی ہے، تحقیقی طور پر ۲۳ درجے، ۲۷ دقیقے ہے۔ خواجہ مظفر حسین

جانے کی انتہائی حد کو خط سرطان کہتے ہیں اور جانب جنوب کی انتہائی حد کو خط جدی۔

اس کی وجہ تسمیہ یہ ہے کہ پرانے منجمین کے حساب سے سورج کی شمالی انتہائی حد برج سرطان ہے۔ اور جنوبی انتہائی حد برج جدی اس لئے اول کو خط سرطان اور دوسرے کو خط جدی کہتے ہیں۔

یہی وجہ ہے کہ ہم جاڑوں میں دیکھتے ہیں کہ سورج جنوب مشرق سے نکلتا ہے اور گرمیوں میں شمال مشرق سے۔ اس سے بادی النظر میں قیاس ہوتا ہے کہ سورج اوتر سے دکھن اور دکھن سے اُوتر چلتا رہتا ہے۔ مگر حقیقت میں یہ بات نہیں۔ بلکہ سورج بھی مغرب سے مشرق کی طرف حرکت کرتا ہے مگر اس کی حرکت دولابی نہیں بلکہ حمائلی ہے۔ جو دائرہ معدل النہار سے ۲۳ ½ درجے تک جانب شمال و جانب جنوب ترچھی ہوتی ہے۔ ۲۲ر دسمبر کو سورج معدل النہار سے ۲۳ ½ درجے جنوب خط جدی یا برج جدی میں ہوتا ہے پھر ماہ بماہ ایک ایک برج طے کرتا ہوا ۲۱ر مارچ کو برج حمل میں آتا ہے جو معدل النہار پر ہے۔ پھر اسی طرح برج در برج سرکتا ہوا ۲۲ر جون کو خط سرطان یا برج سرطان میں داخل ہوتا ہے۔ پھر اسی تاریخ سے ایک ایک برج منزل طے کرتا ہوا ۲۲ر ستمبر کو برج میزان میں داخل ہوتا ہے۔ یہ برج بھی معدل النہار پر ہے۔ اور پھر رفتہ رفتہ بقیہ بروج قطع کرتا ہوا ۲۲ر دسمبر کو پھر برج جدی میں پہنچ جاتا ہے۔ یہ مسافت سورج تقریباً ۳۶۵ دن میں پوری کرتا ہے۔

اگر سورج اُتر سے دکھن اور دکھن سے اُتر خط مستقیم پر سفر کرتا تو جس طرح وہ ۲۱ر مارچ کو برج حمل میں تھا اسی طرح ۲۲ر دسمبر کو بھی برج حمل میں ہی ہوتا یا جس طرح ۲۲ر ستمبر کو برج میزان میں تھا تو ۲۱ر مارچ کو بھی برج میزان ہی میں رہتا۔ اس لئے کہ ۲۱ر مارچ اور ۲۲ ستمبر ان دونوں تاریخوں میں سورج دائرہ معدل النہار ہی پر ہوتا ہے۔ اور جب یہ فرض کیا گیا کہ سورج خط جدی

اور خط سرطان تک سیدھے خط مستقیم پر چلتا ہے تو راستے میں معدل النہار کا ایک ہی نقطہ پڑے گا وہ نقطہ اگر برج حمل میں ہے تو ان ہر دو تاریخوں میں برج حمل میں ہوگا اور اگر یہ نقطہ برج میزان میں ہے تو ان ہر دو تاریخوں میں میزان میں ہوتا۔ مگر اس بات میں مشترک ہوتے ہوئے کہ ان ہر دو تاریخوں میں معدل النہار پر سورج رہتا ہے۔ ۲۱ر کو برج حمل میں اور ۲۲ر ستمبر کو برج میزان میں ہونا۔ اس کی دلیل ہے کہ سورج کی یہ حرکت اوتر سے دکھن بخط مستقیم نہیں بلکہ حمائلی ہے اس لئے کہ برج حمل اور برج میزان آپس میں یوں متقابل ہیں کہ ایک اگر ہمارے سر پر ہے تو دوسرا قدم کے نیچے، اس لئے یہ ماننا پڑے گا کہ یہ حرکت اوتر سے دکھن یا دکھن سے اوتر کی جانب خط مستقیم پر نہیں۔

سورج کی یہ حرکت اصل میں آسمان چہارم کی حرکت ہے جس میں سورج ہے اس آسمان کی حرکت مغرب سے مشرق کی جانب معدل النہار سے ۲۳ ½ درجے ترچھے حمائلی ہوتی ہے۔ اسی کے نتیجہ میں موسموں کا تغیر و تبدل ظہور پذیر ہوتا ہے۔

قدیم منجموں کے نزدیک سال نو موسم بہار سے شروع ہوتا ہے جب کہ ۲۱ مارچ کو سورج دائرہ معدل النہار پر برج حمل میں داخل ہوتا ہے۔ اسے ہئیت داں اعتدال ربیعی کہتے ہیں۔ اس وقت معمورۂ عالم میں عام طور پر دن رات برابر ہوتے ہیں۔ اور موسم معتدل ہوتا ہے۔

پھر سورج اوتر جانب سرکتا جاتا ہے۔ اور اس کی کرنیں زمین پر سیدھی پڑنے لگتی ہیں۔ جس سے زمین پر گرمی بڑھنے لگتی ہے اور ۲۲ر جون کو جب خط سرطان پر پہنچتا ہے تو یہ سورج کی کرنوں کے زمین پر سیدھی پڑنے کا درجہ کمال ہے۔ اس کو انقلاب صیفی کہتے ہیں پھر جب معدل النہار کی طرف لوٹتا ہے تو کرنیں آڑی ترچھی ہونے لگتی ہیں۔ اور گرمی کم ہونے لگتی ہے۔ یہاں تک کہ

جب ۲۲ ستمبر کو دائرۂ معدل النہار پر برج میزان میں پہنچتا ہے تو پھر دن رات برابر ہو جاتے ہیں اور موسم معتدل ہو جاتا ہے اسے اعتدال خریفی کہتے ہیں اور جوں جوں دکھن جھکتا ہے۔ کرنوں کا آڑا پن و ترچھا پن بڑھتا جاتا ہے۔ اور سردی بڑھنے لگتی ہے۔ یہاں تک کہ ۲۲ دسمبر کو خط جدی پر پہنچتا ہے تو سردی شباب پر ہوتی ہے اس لئے کہ یہاں سورج کی کرنیں پورے طور پر آڑی ترچھی پڑتی ہیں اسے انقلاب شتوی کہتے ہیں۔

خلاصہ یہ ہوا کہ آسمان چہارم کی جس میں آفتاب ہے، دو حرکتیں ہیں ایک یومیہ دوسری سالانہ۔ یومیہ حرکت تمام آسمانوں کی طرح فلک الافلاک کی متابعت میں ہے یہ تقریباً چوبیس گھنٹے میں پوری ہوتی ہے اور تحقیقاً ۲۳ گھنٹے ۵۶ منٹ ہیں۔ دوسری سالانہ فلک چہارم کی اپنی حرکت ہے جو اس کے ارادے سے ہوتی ہے یہ تین سو پینسٹھ (۳۶۵) دن اور پونے چھ گھنٹے میں تقریباً مکمل ہوتی ہے۔

اسی طرح فلک اول بھی جس میں چاند ہے۔ فلک الافلاک کی متابعت میں یومیہ حرکت کے علاوہ ایک اور اپنی حرکت سے متحرک ہے۔ یہ حرکت بھی مغرب سے مشرق کی طرف ہے جو ایک ماہ قمری میں پوری ہوتی ہے۔

اسی لئے آپ چاند کو پہلی رات سورج ڈوبنے کے وقت مغرب میں دیکھتے ہیں لیکن دو کر دن اس سے پورب ہٹا ہوا نظر آئے گا۔ یہاں تک کہ چودہویں رات میں غروب کے وقت مشرق کے افق سے جھانکتا ہوا نظر آتا ہے۔ اس کا سبب یہ ہے کہ چاند روزانہ ۲ ½ برج طے کرتا ہوا پورب چلتا رہتا ہے یہاں تک ستائیسویں دن سورج کے قریب پہنچ کر غائب ہو جاتا ہے اور تقریباً ۲ ½ دن کے بعد پھر مغرب میں ناخن کی شکل میں دکھائی دیتا ہے۔

چاند میں خود روشنی نہیں بلکہ یہ سورج سے روشنی پاتا ہے۔ سورج کی کرنیں چاند پر پڑتی ہیں تو وہ روشن نظر آتا ہے اور جتنی دور تک کرنیں پڑتی ہیں روشن

نظر آتا ہے اور جہاں نہیں پڑتیں وہ حصہ غائب رہتا ہے چودہ کو چاند سورج کے مقابل ہوتا ہے اور اس کے نصف سے زائد حصوں پر روشنی پڑتی ہے اس لئے وہ پورا روشن دکھائی دیتا ہے اس کے بعد جوں جوں وہ سورج سے قریب ہوتا جاتا ہے اس کے جرم پر سورج کی روشنی کا انعکاس گھٹتا جاتا ہے اور وہ چھوٹا ہوجاتا ہے یہاں تک کہ ستائیسویں کو اتنا قریب[1] ہوتا جاتا ہے کہ اس پر سورج کی شعاعوں کا انعکاس نہیں ہوتا۔ اور وہ نظروں سے غائب ہوجاتا ہے پھر سرکتے سرکتے جب سورج سے اتنے فاصلہ پر پہنچ جاتا ہے کہ اس پر سورج کی کرنیں پڑنے لگیں تو ہلال نو بن کر نمودار ہوتا ہے۔ اس کے بعد چونکہ دن بدن سورج سے دوری بڑھتی جاتی ہے۔ اس لئے اس کا حجم بھی بڑھتا جاتا ہے اور یہ دوری چودھویں کو اپنے کمال پر پہنچ جاتی ہے۔ اس لئے وہ کامل بن جاتا ہے۔ چاند میں یہ ہلال و بدر کا چکر اصل میں آسمان اول کی حرکت کا ثمرہ ہے۔ جس طرح فلک اول و چہارم کی دو حرکتیں ہیں۔ اسی طرح بقیہ پانچ آسمانوں کی بھی دو حرکتیں ہیں مگر ان سب کی تفصیل بہت پیچیدہ اور مشکل ہے۔ اس لئے اسے قلم انداز کرتا ہوں۔ آسمان۔ حکمار یونان کے نزدیک قابل خرق والتیام نہیں نہ وہ پھٹ سکتے ہیں نہ وہ کٹ سکتے ہیں نہ پھٹنے اور کٹنے کے بعد جوڑے جاسکتے ہیں۔ اور نہ آسمان میں کوئی دروازہ ہے۔ اس لئے ان کے نظریہ کے مطابق آسمان پر عالم سفلی کے کسی فرد کی رسائی ممکن نہیں اور چونکہ چاند آسمان اول کے ثخن میں ہے اس لئے چاند پر انسان یا خلائی جہاز کا پہنچنا محال ہے۔

---

[1] اس کی مقدار آخر سے بارہ درجے تک ہے۔

موجودہ اہلِ یورپ کا نظریہ

ہزار ہا سال کے بطلیموسی نظریہ کو موجودہ سائنسدانوں نے پاش پاش کر کے رکھ دیا ہے۔ ان کا کہنا یہ ہے کہ آسمان کا کوئی وجود نہیں۔ ہم جو نیلگوں رنگ دیکھ رہے ہیں یہ کوئی جرم نہیں۔ بلکہ فضا کا خلا ہے سورج کی کرنیں قوس و قزح کے رنگ سے مرکب ہیں۔ سورج سے ان سب رنگوں کی شعاعیں لہروں کی شکل میں جدا ہو کر زمین کی طرف آتی ہیں۔ درمیان میں کرہ ہوا ہے۔ سرخ رنگ کی لہریں کرہ ہوا کو پار کر کے سیدھی زمین پر آپہنچتی ہیں۔ نیلگوں لہریں ہوا کے ذروں سے متصادم ہو کر ٹوٹ جاتی ہیں اور فضا میں منتشر ہو جاتی ہیں۔ یہی سورج کی نیلی لہریں ہوا کے ذروں میں منعکس ہو کر ہمیں نظر آتی ہیں اور ہم یہ دیکھتے ہیں کہ ہمارے سر پر نیلا شامیانہ تنا ہوا ہے۔ اگر درمیان میں کرہ ہوا نہ ہوتا تو ہم کو فضا بالکل سیاہ نظر آتی۔ جیسا کہ چاند سے نظر آتی ہے اس لئے کہ چاند پر ہوا کا وجود نہیں۔

پہلے گزر گیا کہ اس نظریئے کے سب سے بڑے علمبردار کپلر اور گیلیلو گزرے ہیں ان کا کہنا یہ ہے کہ عالم کا مرکز زمین نہیں بلکہ سورج ہے۔ زمین اور دیگر سیارے سب سورج کے گرد چکر کاٹتے ہیں۔ زمین ساکن نہیں متحرک ہے۔ اس کی دو حرکتیں ہیں۔ ایک یومیہ جو پچھم سے پورب ہوتی ہے اس کے نتیجے میں دن رات پیدا ہوتے ہیں۔ یہ حرکت مستدیرہ ہے اور چوبیس گھنٹے میں پوری ہوتی ہے۔ دوسری حرکت سالانہ ہے جو سورج کے چاروں طرف ہوتی ہے یہ اہلیجی ہے۔ اور زمین سو پینسٹھ دن اور تقریباً پونے چھ گھنٹے میں پوری

ہوتی ہے۔

اس حرکت کی وجہ سے جاڑا، گرمی، ربیع، خریف کے موسم بدلتے رہتے ہیں۔ چاند سیارہ ضرور ہے مگر وہ زمین کے گرد حرکت کرتا ہے۔ اس کا مرکز زمین ہی ہے ان کی دریافت کے مطابق کائنات کا نظام یہ ہے۔

بیچ میں سورج ہے۔ سورج سے تین کروڑ ساٹھ لاکھ میل کے فاصلہ پر عطارد ہے۔ اسے ہندی میں (بدھ) فارسی میں (دبیر فلک) انگریزی میں Mercury کہتے ہیں۔ اس کے بعد زہرہ ہے جو سورج سے چھ کروڑ ستر لاکھ میل کی دوری پر ہے۔ اس کے بعد یہ زمین ہے۔ اس کا فاصلہ سورج سے نو کروڑ تیس لاکھ میل ہے۔ پھر مریخ ہے۔ یہ سورج سے چودہ کروڑ کی میل کی دوری پر اوسطاً رہتا ہے۔ اس کے بعد مشتری ہے۔ اس کی مسافت سورج سے اڑتالیس کروڑ سے کچھ زیادہ ہے۔ یہ پانچ ستارے بغیر دوربین کی مدد سے آنکھ سے بھی نظر آتے ہیں۔ ان کے بعد یورے نس ہے۔ یہ سورج سے ایک ارب اٹھتر لاکھ میل دور ہے۔ اس کے بعد نپ ٹیون ہے۔ یہ سورج سے دو ارب اسی لاکھ میل کی دوری پر ہے۔ سب سے اخیر میں پلوٹو ہے یہ سورج سے تقریباً تین ارب میل کے فاصلہ پر ہے۔

عطارد

عطارد کا قطر تین ہزار میل ہے۔ اس کا وزن ۲٫۹۸۵ × 10^{23} کیلو گرام ہے۔ یہ تیس میل فی سکنڈ کی رفتار سے سیر کرتا ہے۔ اور اٹھاسی دن میں سورج کے گرد چکر لگا لیتا ہے۔ اس کا ایک رخ سورج کی طرف ہے۔ دوسرا الٹی جانب۔ اس کے ایک رُخ پر ہمیشہ دن رہتا ہے اور زمین سے دس گنی، اتنی شدید گرمی رہتی ہے کہ سیسہ پگھل کر بہہ جائے۔ دوسرے رُخ پر ہمیشہ رات رہتی ہے اور اتنی زیادہ سردی کہ ہوا منجمد ہو جائے۔ لیکن عطارد میں ہوا یا نمی کا وجود نہیں۔ یہ صبح و شام کو فقط ایک آدھے گھنٹے کے لئے افق کے قریب سال میں چار یا چھ مرتبہ ہفتہ یا ڈیڑھ ہفتہ کے لئے

دکھائی دیتا ہے۔ اکثر موسم بہار میں سورج ڈوبنے کے بعد اور خزاں میں سورج نکلنے سے پہلے دکھائی دیتا ہے۔ شام یا صبح کا تارہ اسے بھی کہتے ہیں۔

زہرہ

عطارد کے بعد "زہرہ" ہے۔ اسے ہندی میں (سوک) فارسی میں (ناہید) انگریزی میں Venus کہتے ہیں۔ یہ سورج سے چھ کروڑ ستر لاکھ میل کی دوری پر ہے۔ اس کا وزن ^{24}۱۰× ۴٫۸۶۹ کیلو گرام ہے اس کا قطر قریب قریب زمین کے برابر ہے، کچھ ذرا سا کم۔ زمین کا قطر ۷٫۹۰۰ میل اور زہرہ کا ۷٫۵۰۵ میل ہے۔ اس کی رفتار ۲۲ میل فی سکنڈ ہے۔ اور اس کے اوپری سطح کی درجہ حرارت ۸۰۰ F ہے اور یہ ۲۲۴ دن میں سورج کے گرد اپنا دورہ پورا کرتا ہے۔ اس کا دن کئی کئی ہفتوں کا ہوتا ہے۔ یہ بھی صبح کو طلوع آفتاب سے پہلے اور شام کو غروب کے بعد دکھائی دیتا ہے۔ کبھی کبھی یہ تین چار گھنٹے تک نظر آتا ہے اور ہفتوں مہینوں دکھائی دیتا ہے۔ آسمان میں سب سے زیادہ روشن ستارہ یہی ہے۔ دن میں دوربین سے بخوبی دیکھا جا سکتا ہے۔ اور بعض تیز نظر اسے بغیر دوربین کے بھی سورج کے آس پاس دیکھتے ہیں اس کے اوپر ہر وقت بادل چھائے رہتے ہیں مگر یہ بادل پانی کے نہیں بلکہ ایک قسم کی گیس کاربن ڈائی آکسائیڈ کے ہیں انھیں بادلوں کی وجہ سے زہرہ کی چمک دمک میں کافی زیادتی ہے۔ زہرہ کی سطح کیسی ہے۔ انھیں بادلوں کی وجہ سے دیکھا نہیں جا سکا۔ ممکن ہے اس کی سطح پر جھیلیں ہوں دلدل ہوں، دریا ہوں، مینھ برستا ہو، نباتات و حیوانات ہوں۔ کچھ نہیں معلوم۔ زہرہ ہی حقیقت میں صبح کا تارہ ہے۔ زہرہ اور عطارد دونوں چاند کی طرح گھٹتے بڑھتے ہیں۔ اور ان میں بھی ہلال بدر کی ہیئتیں پیدا ہوتی ہیں۔ اور طلوع و غروب ہے۔ زہرہ زمین سے سب سے نزدیک تر سیارہ ہے۔

زمین

زہرہ کے بعد نمبر زمین کا ہے۔ یہ سورج سے نو کروڑ تیس لاکھ میل کے فاصلہ پر ہے۔ اس کا قطر $7900\frac{1}{2}$ میل اور وزن

ـــــــ

ؔ سیر افلاک ص

$۵٫۹۷۶ \times ۱۰^{۲۴}$ کیلو گرام ہے۔ اور یہ ۳۶۵ دن میں ۱۸½ میل فی سکنڈ کی رفتار سے سورج کے گرد اپنا سفر پورا کرتی ہے۔ عطارد اور زہرہ کو یہ لوگ اندرونی سیارہ کہتے ہیں۔ اس لئے کہ ان دونوں کا مدار پورا کا پورا زمین کے مدار کے اندر واقع ہے۔ اس کے علاوہ بقیہ سات سیارے بیرونی کہلاتے ہیں۔ کیونکہ ان کے مدار، زمین کے مدار سے باہر ہیں۔

مریخ

زمین کے بعد مریخ ہے۔ اسے ہندی میں (منگل) اور فارسی میں (بہرام) انگریزی میں Mars کہتے ہیں۔ یہ بیرونی سیاروں میں زمین سے سب سے قریب تر ہے۔ اس کا قطر چار ہزار میل اور اس کا وزن $۶٫۳۸۷ \times ۱۰^{۲۳}$ کیلو گرام ہے۔ اس کا فاصلہ سورج سے اوسطاً چودہ کروڑ میل رہتا ہے۔ یہ پندرہ میل فی سکنڈ کی رفتار سے سورج کے گرد تقریباً دو برس میں اپنا سفر پورا کرتا ہے۔ اس کا دن ہمارے دن سے صرف ستائیس منٹ بڑا ہے۔ البتہ سال دگنا بڑا ہے اور اسی حساب سے اس کے موسم بھی زمین کے موسم سے دونے بڑے ہوتے ہیں۔ دوربین سے دیکھنے سے معلوم ہوتا ہے کہ مریخ کے گرد کسی قسم کا ہلکا کرۂ ہوا بھی ہے۔ اس میں کبھی کبھار آندھیاں بادل بھی دکھائی دیتے ہیں۔ لیکن عام طور پر فضا صاف رہتی ہے۔ اس لئے اس کی سطح دکھائی دیتی ہے۔ اس کی سطح بالکل ہموار ہے اس میں پہاڑ یا سمندر نہیں معلوم ہوتے زیادہ حصہ صحرا ہے جس کی ریت یا مٹی نارنگی رنگ کی ہے۔ اس لئے مریخ سرخ رنگ کا نظر آتا ہے کہیں کہیں گہرے رنگ کے دھبے بھی دیکھنے میں آتے رہتے ہیں جن کا رنگ بدلتا رہتا ہے۔ اس کے دونوں محور کے سرے سفید ہیں۔ غالباً زمین کے قطبین کی طرح وہاں برف ہے۔ یہ سفیدی گرمی کے ساتھ پھیلتی اور سکڑتی ہے۔ بہار میں جو برف پگھلنے کا موسم ہے۔ وہ گہرے رنگ کے سبز ہو جاتے ہیں۔ گرمیوں کے آخر میں بھورے رنگ کے خزاں میں زرد۔ اس سے اندازہ ہوتا ہے

کہ یہ کسی قسم کے نباتات ہیں لیکن بعض دوسرے یہ کہتے ہیں کہ یہ سبز نباتات نہیں بلکہ کوئی معدنی مٹی ہے جو موسم کے ساتھ رنگ بدلتی رہتی ہے۔

۱۸۷۷ء میں جب مریخ بہت عمدہ مقابلے پر تھا تو ایک اطالوی ہیئت داں نے اعلان کیا تھا کہ مریخ کی سطح پر جابجا سیدھی لکیروں کا جال ہے۔ جو ممکن ہے کسی قسم کی نہریں ہوں۔ امریکن نجومی بڑے وثوق سے کہتے ہیں کہ یہ لکیریں نہریں ہیں۔ جن کے کنارے کھیتیاں ہیں۔ اس لئے کہ اتنی سیدھی اور لمبی لکیریں قدرتی نہیں ہو سکتیں۔ اس سے اندازہ ہوتا ہے کہ مریخ پر کوئی مخلوق آباد ہے جو زمین کی مخلوق سے زیادہ عقلمند ہے۔ یہ نہریں مریخ کے شمالی محور سے کاٹ کر لائی گئی ہیں۔ تاکہ وہاں کی پگھلی ہوئی برف سے صحراؤں کے سیراب کرنے کا کام لیا جائے۔ دوسرے لوگ اس کی تردید کرتے ہیں کہ نہ یہ نہریں ہیں نہ وہاں کوئی مخلوق ہے۔ اور نہ مریخ کے محور میں نہ برف اتنی زیادہ ہے کہ اتنی لمبی لمبی نہروں میں پانی دے سکے۔ مریخ میں نمی اور ہوا ضرور ہے مگر اس قدر کم مقدار میں ہے کہ انسان جیسی جاندار مخلوق کا زندہ رہنا محال ہے۔ سورج کی دوری اور ہوا کی قلت کی وجہ سے سردی اتنی شدید ہے کہ زندگی ممکن نہیں۔ گرمیوں میں مریخ کے خط استوا کے قریب تقریباً ایسا موسم رہتا ہوگا جیسے زمین پر مارچ یا نومبر میں۔

ہو سکتا ہے کہ یہ سفید دھبے برف نہ ہوں کسی قسم کے منجمد گیس ہوں۔ بہت سے ماہرین یہ کہتے ہیں کہ مریخ پر نظر آنے والی لکیریں حقیقت میں لکیریں نہیں۔ یہ صرف مسافت کی لمبائی کی وجہ سے نظر کا دھوکہ ہے۔ اس کی سطح پر کہیں کہیں نقطے یا دھبے ہیں۔ یہ نقطے اور دھبے لکیریں نظر آتے ہیں۔ مریخ کے دو چاند بھی ہیں۔ جو ہمارے چاند سے بہت چھوٹے ان کا قطر صرف پانچ دس میل ہوگا۔ اور ان میں سے ایک کا فاصلہ مریخ سے چھ ہزار۔ اور دوسرے کا تقریباً ساڑھے چودہ ہزار میل ہے، ان میں سے پہلا چاند کل سات آٹھ

گھنٹے میں مریخ کے گرد اپنا دورہ پورا کر لیتا ہے۔ مریخ چونکہ اپنے محور پر چوبیس گھنٹے ستائیس منٹ پر یومیہ گردش کرتا ہے۔ اس لئے یہ چاند مریخ پر دن رات میں دو مرتبہ طلوع اور دو مرتبہ غروب ہوتا ہے۔

مشتری

مریخ کے بعد مشتری ہے۔ اسے ہندی میں (برہسپت) فارسی میں (برجیس) انگریزی میں Jupiter کہتے ہیں۔ اس کا لقب قاضی فلک ہے یہ سورج سے اڑتالیس کروڑ چھتیس لاکھ چالیس ہزار میل دور ہے۔ اس کا قطر اٹھاسی ہزار میل سے زائد ہے۔ اور اس کا وزن 10^{25} × ۸۷۵ ر ۲ کیلوگرام اور اس کے اوپری سطح کا درجہ حرارت ۱۵۰- ہے۔ یہ اپنے مدار میں آٹھ میل فی سکنڈ کی رفتار سے تقریباً بارہ برس میں دورہ پورا کرتا ہے۔ اس کی یومیہ حرکت چند منٹ کم دس گھنٹے میں پوری ہوتی ہے۔ اس کا دن ہمارے دن سے بھی چھوٹا ہے۔ اسکی اس یومیہ گردش کی وجہ سے اس کے خط استوا کے گرد کافی ابھار یا پھیلاؤ ہے۔ اس لئے اس کا قرص بجائے گول کے بیضوی دکھائی دیتا ہے۔ اس پر بھی ہر وقت گھنے بادل چھائے رہتے ہیں جس کی وجہ سے اس کی چمک دمک بہت بڑھی ہوئی ہے۔ یہ بادل اس کے قرص پر متوازی پٹیوں کی طرح رنگ برنگ دکھائی دیتے ہیں۔ لیکن یہ بادل پانی کے نہیں ہو سکتے اسلئے کہ سورج سے اڑتالیس کروڑ میل کی دوری کی وجہ سے وہاں پانی بخارات بن کر نہیں رہ سکتا۔ یہ بادل کسی ایسی گیس کے ہوں گے جو سخت سردی سے بھی منجمد نہیں ہوتی۔ سائنسدانوں نے اس کی روشنی کے تجزیے سے قیاس کیا ہے کہ یہ ایمونیا میتھین Amonia Mathene قسم کی زہریلی گیسیں ہیں۔

مشتری کے گرد گیارہ چاند ہیں۔ جو اس کے گرد مختلف مدار پر مختلف رفتار سے گردش کرتے رہتے ہیں۔ ان میں سے چار چاند نسبتاً بڑے ہیں۔ اور چھوٹی دوربینوں سے نظر آتے ہیں۔ ان میں سے دو کا قطر

تین ہزار میل ہے ۔ یہ دونوں ہمارے چاند بلکہ عطارد سے بھی بڑے ہیں مگر مشتری کے سامنے ہیچ ہیں ۔

زحل

مشتری کے بعد زحل ہے ، اسے ہندی میں (سنیچر) فارسی میں (کیوان) انگریزی میں Saturn کہتے ہیں ۔ اس کی دوری سورج سے ساڑھے اٹھاسی کروڑ سے بھی زائد ہے ۔ اسکا وزن $۵٫۶۱۳۲ \times ۱۰^{۲۶}$ کیلوگرام ہے ۔ اس کا قطر پچھتر ہزار میل ہے ۔ یہ سورج کے گرد اپنا دورہ چھ میل فی سکنڈ کی رفتار سے ساڑھے انتیس برس میں پورا کرتا ہے ۔ اور یومیہ گردش تقریباً دس گھنٹے میں پوری کرتا ہے ۔ تیز رفتاری کی وجہ سے اس کے خط استوا کے گرد بھی ابھار اور پھیلاؤ ہے ۔ اس کے گرد بھی زہریلے گیسوں کے بادل گھیرے رہتے ہیں ۔

سیاروں میں زحل کی خصوصیت یہ ہے کہ اس کے گرد تین چھلے ہیں جن میں باہر کے دو روشن ہیں اور اندر کا تاریک ہے ۔ اندر والا زحل سے سات ہزار میل کی دوری پر معلق ہے ۔ اندازہ ہے کہ ان تینوں کی چوڑائی مجموعی طور پر چالیس ہزار میل ہوگی ۔ ان کا دل زیادہ سے زیادہ دس میل موٹا ہوگا ۔ سائنسدانوں کا کہنا ہے کہ یہ حلقے لاکھوں ٹھوس ذروں کا مجموعہ ہیں جو زحل کے گرد جگمگا رہے ہیں ۔ اور سورج کی روشنی سے چمک رہے ہیں ۔ قیاس یہ کیا جاتا ہے کہ کسی زمانہ میں زحل کا کوئی چاند اس کے بہت قریب آکر اس کی زبردست کشش کی زد میں آکر پاش پاش ہوگیا ہے اسی کے ٹکڑے یہ حلقے بن گئے ہیں ۔ زحل کے بھی چاند ہیں ۔ جو گنتی میں نو ہیں ۔ یہ سب ان چھلوں سے باہر ہیں ۔ جن میں سے ایک قریب قریب مریخ کے برابر ہیں ۔

نئے سیارے

زحل وہ آخری سیارہ ہے جو صرف آنکھ سے بغیر دوربین کی مدد کے دیکھا جاتا ہے ۔ اور قدیم نجومیوں کی دریافت کے مطابق یہ ساتویں آسمان میں ہے ۔ اسی سے

فارسی کا محاورہ اعلیٰ مرتبہ کے لئے "کیوان منزل" لیا گیا ہے۔ لیکن دوربینوں کی مدد سے تین مزید سیارے دریافت ہوئے۔ یورے نس نپ ٹیون پلوٹو۔

یورے نس
Uranus

ان میں سے یورے نس کا فاصلہ سورج سے ایک ارب اٹھتر لاکھ اکتیس ہزار میل ہے۔ یہ سورج کے گرد اپنی مسافت چوراسی سال میں پوری کرتا ہے۔ اس کے اردگرد بھی چاند ہیں۔ اس کا وزن $10^{25} \times$ ۵۶۶ر۸ کیلوگرام اور حرارت ۱۸۰ ہے۔

نپ ٹیون
Neptune

Neptune سورج سے دو ارب اسی لاکھ میل کی دوری پر ہے۔ اُس کا قطر تینتیس ہزار میل ہے اور یہ سورج کے گرد ایک سو چونسٹھ برس میں دورہ پورا کرتا ہے۔ اس کا وزن $10^{25} \times$ ۴۵ر۸ کیلوگرام اور درجہ حرارت ۲۰۰ ہے۔

پلوٹو
Pluto

۱۹۳۰ء میں امریکیوں نے دریافت کیا ہے۔ یہ سورج سے ساڑھے تین ارب میل کی مسافت پر ہے اس کا وزن $10^{23} \times$ ۵ر۹۷۶ کیلوگرام اور درجہ حرارت ۲۰۰ ہے۔ اس کی جسامت کے بارے میں کوئی یقینی بات طے نہیں ہوئی اندازہ ہے کہ زمین سے بھی چھوٹا ہے۔ یہ اپنا دورہ سورج کے گرد دو سو اڑتالیس برس میں پورا کرتا ہے ایک ہی برج میں بیس بیس برس کے قریب رہ جاتا ہے۔

ان سب کا اجمالی خاکہ ذہن میں رکھنے کے لئے ان سب کو ایک قطار میں لاکر تصور جمایئے تو بیچ میں سب سے بڑا سیارہ مشتری ہے۔ اور کنارے ایک طرف عطارد ہے۔ دوسری طرف پلوٹو ہے۔

ان سب سیاروں کا مرکز سورج ہے۔ یہ سب سورج کے گرد گردش کرتے ہیں ان سب کی دو حرکتیں ہیں۔ ایک یومیہ۔ دوسری سالانہ جن کی تفصیلات اوپر مذکور ہوئیں۔

خمسۂ متحیرہ

سب سیارے مغرب سے مشرق کی طرف حرکت کرتے ہیں۔ ان میں زمین بھی داخل ہے۔ لیکن ان میں سے

پانچ عطارد، زہرہ، مشتری، مریخ، زحل کے بارے میں یہ تجربہ ہوچکا ہے کہ یہ کبھی رکے ہوئے نظر آتے ہیں کبھی الٹے چلتے ہوئے دکھائی دیتے ہیں جسے رجعت قہقری کہتے ہیں۔ اسی لئے ان کا نام خمسہ متحیرہ ہے۔ اس کا سبب یہ ہے کہ زمین حرکت کرتے کرتے ان کے برابر میں آجاتی ہے۔ اس وقت یہ محسوس ہونے لگتا ہے کہ وہ سیارہ رک گیا ہے۔ پھر زمین ان سے آگے نکل جاتی ہے۔ اس وقت یہ محسوس ہوتا ہے کہ یہ سیارہ پیچھے جانے لگا۔ حالانکہ وہ پیچھے نہیں جاتا زمین جس سمت جاتی ہے۔ اسی سمت میں چلتا ہے مگر اس کی رفتار زمین سے سست ہے اس لئے ہمیں دیکھنے میں یہی معلوم ہوتا ہے کہ وہ زمین سے الٹے جارہا ہے۔

اس کا تجربہ ریل کے سفر میں ایسی جگہ بہت سے لوگوں نے کیا ہوگا جہاں ایک ہی طرف جانے والی دو لائنوں پر دو ٹرینیں چل رہی ہوں۔ ایک ٹرین آگے جارہی تھی دوسری اس کے متوازی لائن پر پیچھے سے آگئی تو جب دونوں برابر آجاتی ہیں تو سست رفتار ٹرین بالکل ایستادہ معلوم ہوتی ہے اور تھوڑی دیر میں یہ محسوس ہوتا ہے کہ وہ پیچھے جارہی ہے۔ حالانکہ وہ بھی اسی سمت چل رہی ہے۔ جدھر ہماری ٹرین جارہی ہے۔ مگر چونکہ اس کی رفتار ہماری ٹرین سے کم ہے اس لئے محسوس ہوتا ہے کہ پیچھے جارہی ہے۔ یہی نظر کا دھوکا خمسہ متحیرہ کی رجعت میں بھی ہے۔

ثوابت

ثوابت ان ستاروں کو کہتے ہیں جو آسمان[1] میں ہمیشہ ایک جگہ نظر آتے ہیں۔ یہ سیاروں کی طرح اپنی جگہ نہیں بدلتے۔ اسی لئے ان کے باہمی فاصلے اور سمتیں ایک رہتی ہیں۔ سیاروں کی طرح یہ اپنی روشنی میں سورج کے محتاج نہیں۔ بلکہ یہ خود سورج کی طرح

---

[1] آسمان کا لفظ باعتبار عرف کے کہا گیا ہے ورنہ یہ لوگ آسمان کے قائل نہیں۔ منہ

منبع نور اور دہکتی ہوئی گیسوں کے جرم ہیں۔ ہمیں دیکھنے میں بہت چھوٹے نظر آتے ہیں مگر ان میں بہت سے سورج سے کئی گنا بڑے ہیں مگر چونکہ زمین سے بہت زیادہ دوری پر ہیں۔ اس لئے بہت چھوٹے دکھائی دیتے ہیں۔ ستاروں کی زمین سے دوری کا اندازہ اس سے کریں کہ سب سے قریب ترین ستارہ رجل قنطارس زمین سے چار نوری سال کے فاصلہ پر ہے بادی النظر میں ان دونوں کے مابین ایک بین فرق ہے۔ ثوابت جہاں بھی ہوں جگ مگ کرتے دکھائی دیتے ہیں اور سیارے اگر افق کے بہت قریب نہیں تو جگمگاتے نہیں۔

نوری سال

نوری سال کا مطلب وہ مسافت ہے جسے روشنی ایک سال میں طے کرے۔ روشنی ایک سکنڈ میں ۱۰۶۴۲۰[1] میل طے کرتی ہے اس حساب سے روشنی ایک سال میں ۵۶۵........ میل کا سفر کرے گی۔ نوری سال کی اصطلاح صرف اس وجہ سے قائم کی گئی ہے کہ انھوں نے اپنے حساب سے ستاروں کے جو فاصلے دریافت کئے ہیں وہ اتنے لمبے ہیں کہ میلوں میں بتانے کے لئے سنکھ و مہاسنکھ کی گنتیاں بھی ناکافی ہیں۔ اس کا اندازہ اس سے لگائیں کہ بعض بعض ستارے زمین سے سو سال، بعض ہزار سال نوری کی دوری پر ہیں۔ یہ دیکھنے میں ایک دوسرے سے بہت قریب نظر آتے ہیں مگر حقیقت میں ان کے مابین کئی کئی نوری سال کے فاصلے ہیں۔

کہکشاں

چنانچہ کہکشاں کے بارے میں ان کا ہی کہنا ہے کہ یہ لاتعداد ستاروں کا مجموعہ ہے۔ جو ایک دوسرے سے ملے ہوئے نہیں بلکہ ان کے مابین پچاس پچاس بلکہ سو سو سال نوری کا فاصلہ

---

[1] سیر افلاک میں ۱۰۶،۰۰۰ منہ

ہے مگر کہکشاں اتنی دور ہے کہ ہمیں یہی دکھائی دیتا ہے کہ یہ ستاروں کا مجموعہ نہیں کوئی بادل ہے۔

ستارے کیا ہیں

جس طرح سورج کے ساتھ ہماری پوری دنیا ہے اسی طرح ان ستاروں کے ساتھ بھی مختلف دنیا ہیں۔ ان سب کا اپنا اپنا نظام ہے جس طرح اس سورج کے گرد نو سیارے گردش کرتے ہیں۔ اسی طرح ان ستاروں کے گرد بھی کچھ سیارے ہیں۔ جو ان کے گرد گردش کرتے ہیں۔

ستارے کچھ تو ایسے ہیں جو بغیر دوربین کے صرف آنکھ سے نظر آتے ہیں کچھ دوربینوں کی مدد سے نظر آتے ہیں۔ اور اب ریڈیائی دوربین نے ہزاروں ان ستاروں اور ان سے متعلق سیاروں کی کھوج نکال لی ہے جو صرف آنکھ یا قدیم دوربینوں سے نظر نہیں آسکتے تھے۔ جتنے نظر آچکے ہیں انہیں پر بس نہیں ہے اس کا بھی امکان ہے کہ ان کے علاوہ اور بھی ستاروں کا وجود ہو۔

فضا غیر متناہی نہیں

مگر پھر بھی ان کا رجحان یہی ہے کہ یہ فضا غیر متناہی نہیں اس کی کوئی نہ کوئی حد ضرور ہے اگرچہ ابھی اس فضا کی وسعت کی مقدار نہیں بتائی جاسکتی۔

ستاروں کے حجم

یہ ستارے مختلف حجم کے ہیں۔ ان میں بعض ہمارے سورج سے پچاس گنا زیادہ بڑے ہیں۔ ان کے رنگ بھی کئی طرح کے ہیں۔ کوئی سُرخ، کوئی سبز، کوئی نیلا، کوئی نارنگی وغیرہ وغیرہ۔

ثوابت کی ذاتی حرکت

یہ ستارے ثوابت اسی لئے کہلاتے ہیں کہ یہ آسمانوں میں ایک جگہ قائم نظر آتے ہیں جس سے شبہہ ہوتا ہے کہ ان میں کوئی ذاتی حرکت نہیں۔ مگر حقیقت میں ایسا نہیں۔ ان سب کی اپنی اپنی ذاتی حرکتیں ہیں۔ اور آسمان میں اپنی جگہ

بھی بدلتے ہیں۔ مگر بہت زیادہ دوری کی وجہ سے ان کی حرکتیں ہمیں محسوس نہیں ہوتیں۔ نہ جگہوں کا بدلنا محسوس ہوتا ہے۔ مگر ہزاروں سال میں۔ مثلاً رجل قنطارس سے پرے ایک ستارہ ہے جس کا انگریزی میں نام یہ ہے۔ Bernards Runawaystar جو چھپن میل فی سکنڈ کی رفتار سے حرکت کر رہا ہے۔ مگر فاصلے کی زیادتی کی وجہ سے ایک سو اسی سال میں صرف نصف درجہ طے کرتا ہے۔ اسی طرح عبدالرحمٰن الصوفی مشہور نجومی نے لکھا ہے کہ شعریٰ یمانی اب کہکشاں کے جس کنارے پر نظر آتا ہے۔ کسی زمانے میں اس کے مقابل، کنارے پر تھا۔ نئے منجمین کا اندازہ ہے شعریٰ نے یہ مسافت پچاس ہزار سال میں طے کی ہوگی۔

ثوابت کے گرد زمین کی حرکت

زمین اپنے محور پر ثوابت کے گرد تیئس گھنٹے چھپن منٹ میں اپنا دورہ یومیہ پورا کرتی ہے اور سورج کے گرد پورے چوبیس گھنٹے میں۔ اسی وجہ سے جو ستارے آج رات میں بارہ بجے ہمارے سمت الراس پر ہوں گے۔ وہ کل گیارہ بج کر چھپن منٹ پر سمت الراس پر ملیں گے۔ اور بارہ بجے سمت الراس سے ذرا سا پورب سرک جائیں گے۔ ثوابت اور سورج کے گرد زمین کی روزانہ گردش میں یہ چار منٹ کا تفاوت مہینے میں دو گھنٹے کا ہو جاتا ہے۔ اور سال میں چوبیس گھنٹے کا۔ اس کے نتیجے میں سال بھر کے بعد وہی ستارے ہمارے سروں پر موجود ہوتے ہیں۔ جو سال بھر پہلے ہمارے سروں پر تھے۔ مثلاً یکم مارچ ۱۹۷۲ء کو بارہ بجے جو ستارے ہماری سمت الراس پر تھے وہ یکم مارچ ۱۹۷۳ء کو بھی بارہ بجے رات میں ہماری سمت الراس پر موجود ہوں گے۔ اور اسی طرح ہر سال یکم مارچ کو وہیں ملیں گے جہاں امسال یکم مارچ کو تھے۔

....

سُورَج

سورج کا قطر[1] ساڑھے آٹھ لاکھ میل سے کچھ زائد ہے اس کا مطلب یہ ہوا کہ یہ زمین سے تقریباً تیرہ لاکھ گنا بڑا ہے۔ اس کا فاصلہ زمین سے نو کروڑ تیس لاکھ میل ہے۔ اس کا وزن ۲۷ ۱۰ x ۲ کیلوگرام ہے۔ سورج خود بھی گردش کرتا ہے۔ اس کی ایک گردش پچیس دن میں ہوتی ہے۔ سورج کی روشنی مختلف رنگوں کی ہے جو قوس و قزح میں نظر آتی ہے۔ سورج بھڑکتی ہوئی گیسوں کا مرکب ہے زمین میں جتنے عناصر اور دھاتیں پائی جاتی ہیں۔ آکسیجن، ہائیڈروجن، لوہا، تانبا وغیرہ سب کے سب وہاں مفرد اور گیس کی شکل میں موجود ہیں۔ زمین پر یہ چیزیں مرکب اور ٹھوس یا رقیق حالت میں پائی جاتی ہیں۔ مگر سورج میں اس کی شدید ترین گرمی کی وجہ سے مرکبات کے اجزا تحلیل ہو کر مفرد اور گیس کی صورت میں موجود ہیں۔ نوے فیصد ہائیڈروجن۔ آٹھ فیصد ہیلیم۔ دو فیصد ہیوبر ایلیمنٹس Heavier Elements سورج میں موجود ہیں۔ دنیا میں روشنی اور حرارت جتنی بھی پائی جاتی ہے جس پر عالم کی حیات کا دار و مدار ہے سب سورج کی بخشی ہوئی ہے۔ سورج کی گرمی کا صحیح تصور محال ہے۔ اندازہ کے لئے اتنا سمجھ لیجئے کہ سورج کی سطح کا درجہ حرارت تقریباً چھ ہزار سنٹی گریڈ ہے چھ ہزار سنٹی گریڈ درجہ حرارت کی شدت کو ذہن نشین کرنے کے لئے یہ سمجھ لیجئے کہ سو درجہ پر پانی کھولنے لگتا ہے۔ یہ سورج کی سطح کا عالم ہے اندرونی حصہ میں یہ حدت بتدریج اتنی زیادہ ہے کہ پچوں پیچ میں...... ۱۳۰ درجے کا اندازہ ہے۔ یہ حرارت کی وہ حد ہے جہاں کوئی قوی سے قوی تر جامد یا مائع شے اپنے جرم کی شکل میں باقی نہیں رہ سکتی۔ یہی وجہ ہے کہ سورج ایسی بھڑکتی ہوئی گیسوں کا مرکب ہے جس میں ایٹم تک کے اجزائے ترکیبیہ منتشر ہو جاتے ہیں۔ نہ صرف ان کے بیرونی اجزا Electron بلکہ اس کے مرکزی حصے کی بھی Nucleus دھجیاں بکھر چکی ہیں۔ سورج کے اندرونی

[1] سیر افلاک۔ منہ

حصے کی اس حرارت اور دباؤ کی وجہ سے مادوں کی ماہیت تک بدلتی رہتی ہے ہائیڈروجن۔ کے ایٹم Hydrogen ہیلیم Helium کے ایٹموں میں بدل جاتے ہیں۔ اسی توڑ پھوڑ، تغیر، تبدل کی وجہ سے سورج میں حرارت کا وہ ذخیرہ موجود ہے۔ جو کروڑوں سال تک فنا نہیں ہوگا۔ قدرت کی صنعت ملاحظہ کیجئے۔ ایک ایسے ایٹم میں جو قوی سے قوی تر خوردبین سے نظر نہیں آتا، اتنی حرارت اور طاقت پوشیدہ ہے جو لاکھوں من لکڑی کے کوئلے سے بھی حاصل نہیں ہوسکتی۔ یہی وجہ ہے کہ اس کے باوجود کہ سورج کا مادہ روزانہ کروڑوں ٹن گرمی اور روشنی میں تبدیل ہو کر فضا میں منتشر ہو رہا ہے مگر سورج کی بھٹی میں، کوئی کمی محسوس نہیں ہو رہی ہے۔ اور نہ آئندہ کروڑوں سال کے لئے سورج کے فنا ہونے کا کوئی خطرہ ہے۔

سورج کے سطح کی گیسیں بہ نسبت اندرونی گیسوں کے ہلکی ہیں مگر اندر کی گیسیں لاکھوں میل موٹی تہوں کے دباؤ کی وجہ سے اس قدر ٹھوس ہیں کہ ہماری دنیا کی سخت سے سخت ٹھوس چیزیں بھی ہوا ہیں اندرونی سخت ترین دباؤ اور شدید ترین حرارت کی وجہ سے بطن آفتاب میں سخت ترین کشمکش اور پیچ و تاب کا عالم ہے جس کے نتیجے میں اندر کی گیسیں بقوت شدیدہ باہر نکلتی ہیں، اور سورج کی سطح پر لاکھوں آتشیں چشمے پھوٹ پڑتے ہیں۔ اس وقت ایسا محسوس ہوتا ہے جیسے کسی آتشی سمندر میں طوفان عظیم برپا ہے۔ ہزاروں میل اونچے شعلوں کی لہریں اٹھتی ہیں۔ ہزاروں میل موٹی آگ کی پھوار ان دہانوں سے ابلتی ہیں۔ جو اندرونی مادوں کے باہر آنے کی وجہ سے قرص آفتاب میں پیدا ہو جاتے ہیں یہی سورج کے آتشی فوارے ہیں جو سورج کے داغ کہلاتے ہیں۔ دوربین سے دیکھنے پر سیاہ نظر آتے ہیں۔ یہ داغ سورج پر مستقل نہیں رہتے، گھٹتے بڑھتے بنتے بگڑتے رہتے ہیں۔ یہ سب داغ مشرق سے مغرب کی طرف چلتے ہوئے دکھائی دیتے ہیں۔ بعض راستے میں

ختم ہو جاتے ہیں۔ بعض دوسرے کنارے پر پہنچ بھی جاتے ہیں۔
سورج کا یہ اندرونی پیچ وتاب کبھی کم ہوتا ہے کبھی زیادہ۔ عموماً دھبے شروع ہو کر پانچ ساڑھے پانچ سال تک بڑھتے رہتے ہیں اور کم ہوتے ہوتے اتنی ہی مدت الگ جاتی ہے۔ بعض دھبے اتنے بڑے ہوتے ہیں کہ ان میں ہم جیسی کئی دنیا با آسانی سما جائیں ایسے دھبے طلوع اور غروب کے وقت جب سورج ماند پڑ جائے تو بغیر دوربین کے بھی نظر آتے ہیں۔
یہ دھبے زبردست مقناطیسی طاقتوں کا مرکز ہیں۔ ان کا اثر زمین تک پہنچتا ہے۔ زمین پر مقناطیسی طوفان انھیں کی وجہ سے آتے ہیں جس کی وجہ سے مقناطیسی سوئی تھرتھراتی رہتی ہے اور ریڈیو کے سلسلے میں خلل پڑ جاتا ہے۔ یہاں تک کہ کچھ لوگوں کا کہنا ہے کہ اس کا اثر زراعت، تجارت، انسان کی طبیعت پر بھی پڑتا ہے۔

چاند

قدیم نجومیوں کے نزدیک چاند اور سورج دیگر سیاروں کی فہرست میں تھے مگر اب یہ سیاروں کی فہرست سے خارج ہیں۔ ان کی جگہ زمین داخل ہو گئی ہے۔ قدما کا کہنا تھا کہ چاند و سورج و دیگر سیاروں کا مرکز زمین ہے۔ ان متاخرین کا کہنا ہے کہ نہیں سیاروں اور خود زمین کا مرکز سورج ہے۔ رہ گیا چاند تو یہ ان سیاروں کی صف میں نہیں۔ اس کا مرکز سورج نہیں زمین ہے۔ یہ زمین کے گرد دو حرکتیں کرتا ہے۔ اس کا دورہ زمین کے گرد ½ ۲۷ دن میں پورا ہوتا ہے جس میں اس کی دونوں حرکتیں پوری ہو جاتی ہیں۔ اس حساب سے قمری مہینہ ½ ۲۷ دن کا ہونا چاہئے تھا۔ مگر چونکہ ان کے زعم کے مطابق زمین مع چاند کے سورج کے گرد حرکت کرتی ہے اس لئے قمری مہینہ تقریباً ½ ۲۹ دن کا ہوتا ہے۔ رویت ہلال کے اختلاف سے کبھی تیس دن کا، کبھی انتیس دن کا مانا جاتا ہے۔ چاند کی دونوں حرکتیں ½ ۲۷ دن میں زمین کے گرد کیسے پوری

ہوتی ہیں؟ اور زمین کی سورج کے گرد حرکت کی بنا پر مہینہ ۱/۲ ۲۹ دن کا کیوں ہوجاتا ہے؟ یہ طلسم بہت پُرپیچ ہے۔ اگرچہ ایسا نہیں کہ اسے سر نہ کیا جا سکے مگر بنظر اختصار اسے حل کئے بغیر ہم چھوڑ دیتے ہیں جنھیں شوق ہو وہ ان سائنس دانوں کی کتابیں مطالعہ کریں ۔ چاند کا قطر[1] دو ہزار میل ہے اور زمین سے اس کا فاصلہ دو لاکھ میل سے کچھ زائد ہے۔ جو گھٹتا بڑھتا ہے اور زیادہ سے[2] زیادہ دو لاکھ اڑتیس ہزار میل تک ہوتا ہے اور اس کا وزن ....۳۵۰۴۸ کیلو گرام ہے۔ چاند خود روشن نہیں۔ بلکہ یہ سورج کی روشنی کے انعکاس سے روشن دکھائی دیتا ہے۔ چاند کا ایک ہی رخ زمین کی طرف ہمیشہ رہتا ہے۔ چاند پر دو ہفتہ کی رات اور دو ہفتہ کا دن ہوتا ہے۔ چاند چونکہ زمین سے بہ نسبت دوسرے اجرام فلکی کے قریب تر ہے۔ اس لئے اس کے متعلق سب سے زیادہ تفصیلی معلومات حاصل کی جا چکی ہیں۔ اور اب تو خلا بازوں کے چاند پر پہنچ جانے کے بعد جو کچھ دوربینوں سے دیکھ کے بتایا گیا تھا۔ سائنسدانوں کے نزدیک ان پر مہر تصدیق ثبت ہو چکی ہے۔

چاند بالکل ہماری زمین کی طرح مٹی پتھر کے مجموعے کا نام ہے اسکی سطح اونچی نیچی ہے۔ اس پر پہاڑ ہیں، میدان ہیں۔ بڑے بڑے غار ہیں۔ دوربین سے شمال کی طرف ترچھا ایک سلسلہ کوہ صاف نظر آتا ہے۔ غار اتنے بڑے ہیں کہ بعض بعض کے دہانے پچاس ساٹھ میل اور بعض کے سو میل سے بھی چوڑے ہیں۔ پوری سطح پر ایک قسم کی راکھ پائی جاتی ہے یہ راکھ منجمد لاوا کے سفوف کے مثل ہے کہیں کہیں دراڑیں ہیں جس میں بعض دو دو میل چوڑی ہیں۔ اس کے بعض غاروں کے دہانوں سے لکیردار شعاعیں

---

[1] یہ تحقیق ہے اس کے قبل جو اندازہ ہوا تقریبی تھا۔ منہ [2] سیر افلاک۔ منہ

نکلتی ہیں جو میلوں میں پھیل جاتی ہیں۔ چاند میں دن میں گرمی اتنی پڑتی ہے کہ الاماں الاماں۔ انسان جانبر نہ ہو سکے۔ اور رات میں سردی ایسی کہ جاندار ٹھٹھر کر رہ جائے۔ درجہ صفر سے بھی دو سو درجہ کم۔ پانی یا نمی یا ہوا بالکل نہیں۔ اسی لئے زمینی جانداروں کا وہاں جینا محال ہے کسی قسم کے نباتات یا سبزی یا مخلوق کا کوئی وجود نہیں۔ اسی لئے خلابازوں کو اپنے ساتھ خورد و نوش کے سامان کے ساتھ آکسیجن بھی پیٹھ پر لاد کر لے جانی پڑی تھی۔ جس طرح زمین سے چاند روشن نظر آتا ہے اسی طرح چاند سے ہماری زمین بھی روشن نظر آتی ہے۔ مگر چاند سے کئی گنا زیادہ چاند پر برف، بخارات، ہوا نہیں۔ اس لئے اس میں سورج کی کرنوں کا انعکاس کم ہوتا ہے، اور زمین ان خزانوں سے معمور ہے۔ اس لئے سورج کی شعاعوں کا انعکاس اس میں چاند کی بہ نسبت زیادہ ہے۔ اور زمین چاند سے چوگنا بڑی ہے۔ اسلئے وہ چاند پر سے بہت بڑی دکھائی دیتی ہے۔ زمین کے اوپر چونکہ کرۂ ہوا ہے، اس لئے زمین سے ستارے جلتے ہوئے نظر آتے ہیں۔ مگر چاند پر سے بالکلیہ ساکن و جامد دکھائی دیں گے۔ زمین سے فضا نیلگوں دکھائی دیتی ہے۔ مگر چاند سے بالکل سیاہ نکھری ہوئی دکھائی دے گی۔

اِسلامی نظریہ

چاند، سورج، ستارے کہاں ہیں

اب تک جو کچھ تحریر کیا گیا ہے یہ کائنات کی کہانی اہل ہیئت و سائنس دانوں کی زبانی تھی جسے بلا کسی نقد و تبصرہ کے ناظرین کے سامنے پیش کر دیا گیا۔ ان مزخرفات سے قطع نظر کرتے ہوئے اب آیئے قرآن کریم کی آیات اور احادیث نبویہ کی روشنی میں تلاش کریں کہ چاند کہاں ہے۔ اس لئے کہ ہمارے اصل موضوع کی تحقیق یعنی چاند تک خلائی کشتی کے ذریعہ انسان کا پہنچنا ممکن ہے یا نہیں؟ اسی پر موقوف ہے۔ ارشاد باری تعالیٰ ہے۔

كُلٌّ فِي فَلَكٍ يَّسْبَحُوْنَ (پ ١٧ انبیاء) ہر ایک ایک گھیرے میں پیر رہے ہیں

اس آیت میں لفظ فلک وارد ہے۔ فلک سے یہاں مراد آسمان ہے یا اور کچھ؟ مفسرین کے دونوں اقوال ہیں۔ خازن میں ہے

والفلك مدار النجوم الذى يضمها وقيل الفلك طاحون كهيئة المغزل يريد ان الذى تجرى فيه النجوم مستدير كاستدارة المرحى وقيل الفلك السماء الذى فيه ذالك الكوكب۔ فكل كوكب يجرى فى السماء الذى قد رفيه قيل

فلک سے مراد ستاروں کا مدار ہے ایک قول یہ ہے کہ فلک چکی ہے تکلے کے سکڑے کے مثل مطلب یہ ہے کہ ستاروں کی رہ گزر چکی کے مثل گول ہے۔ ایک قول یہ ہے کہ فلک سے مراد وہ آسمان ہے جس میں وہ ستارہ ہے۔ ہر ستارہ اس آسمان میں چلتا ہے جس میں بنایا گیا ہے ایک

الفلك استدارة السماء وقيل الفلك موج مکفوف دون السماء تجری فیہ الشمس والقمر والنجوم (سورہ انبیا)	قول یہ ہے کہ اس سے مراد چکی کی گولائی ہے ایک قول یہ ہے کہ فلک سے مراد موج مکفوف ہے آسمان کے علاوہ جس میں چاند اور سورج اور ستارے چلتے ہیں۔

خازن نے فلک کی تفسیر میں پانچ اقوال نقل فرمائے۔ (۱) مدار (۲) مطلق گولائی (۳) آسمان (۴) چکی کی گولائی (۵) موج مکفوف۔

پہلے کو بغیر قیل کے اور سب سے پہلے نقل کیا۔ یہ اس پر قرینہ ہے کہ یہی ان کا مختار ہے۔ پہلا دوسرا اور چوتھا معنی جیسے آسمان پر صادق ہیں ایسے ہی موج مکفوف پر اب بھی متعارض صرف دو رہے۔ تیسرا اور پانچواں۔ کہ اس آیت میں فلک سے مراد آسمان ہے یا موج مکفوف۔ اسی لئے علامہ ابوالبرکات نسفی قدس سرہ نے مدارک میں دو ہی پر اکتفا فرمایا۔ فرماتے ہیں۔

عن ابن عباس ان المراد بالفلك السماء والجمهور على ان الفلك موج مكفوف تحت السماء تجری فیہ الشمس والقمر والنجوم (سورہ انبیا)	ابن عباس سے مروی ہے کہ فلک سے مراد آسمان ہے۔ اور جمہور کا مذہب یہ ہے کہ فلک سے مراد موج مکفوف ہے جو آسمان کے نیچے ہے جس میں سورج چاند اور ستارے چلتے ہیں۔

حضرت علامہ نسفی قدس سرہ السامی کی یہ تصریح دیکھئے فرماتے ہیں کہ اگرچہ عبداللہ بن عباس رضی اللہ تعالیٰ عنہما کا قول یہ ہے کہ فلک سے یہاں آسمان مراد ہے مگر جمہور مفسرین کا قول یہ ہے کہ یہاں فلک سے وہ موج مکفوف مراد ہے جو آسمان کے نیچے ہے۔ جس میں چاند و سورج اور ستارے چلتے ہیں۔

موج مکفوف سے آسمان اول مراد نہیں

یہاں یہ نہیں کہا جا سکتا کہ موج مکفوف سے آسمان اول مراد ہے۔ اولاً اس لئے کہ خازن نے " دون السماء "

کہاہے "دون" کے معنی "علاوہ" کے بھی ہیں۔ اور قریب کے بھی۔ ان دونوں میں سے جو معنی بھی مراد لیں۔ موج مکفوف آسمان کے مغایر ہی ہوگی۔ پہلے معنی پر تو بالکل ظاہر ہے۔ دوسرے معنی پر یوں کہ ہر قریب یا یقرب منہ کے مغائر ہوتا ہے ثانیاً علامہ نسفی نے اسے تحت السماء فرمایا۔

ثالثاً: اگر موج مکفوف سے آسمان اول مراد ہوتا تو پھر حضرت ابن عباس رضی اللہ تعالیٰ عنہما اور جمہور کے مذہب میں کیا تفاوت تھا کہ دونوں کو دو مذہب گنایا۔

رابعاً: صاحب مدارک اور خازن کے قول میں تو موج مکفوف وارد ہونے کی وجہ سے یہ بحث ہو سکتی ہے کہ یہ آسمان ہے یا کچھ اور لیکن تفسیر در منثور میں حسان بن عطیہ اور ابن زید نے اس احتمال کو سرے سے ختم ہی کر دیا اس میں "فی فلک بین السماء والارض" صریح طور سے مذکور ہے، فرماتے ہیں۔

اخرج ابن ابی حاتم وابو الشیخ عن حسان بن عطیۃ قال الشمس والقمر والنجوم مسخرۃ فی فلک بین السماء والارض۔ اخرج ابن جریر و ابن ابی حاتم عن ابن زید فی قولہ کل فی فلک قال الفلک الذی بین السماء والارض من مجاری النجوم والشمس والقمر۔ (ج ۴ ص ۳۱۸)

حسان بن عطیہ نے کہا کہ سورج اور چاند اور ستارے آسمان اور زمین کے درمیان ایک گھیرے میں مسخر ہیں۔ ابن زید رضی اللہ تعالیٰ عنہ نے ارشاد باری "کُلٌّ فِی فَلَکٍ یَّسْبَحُوْنَ" کی تفسیر میں فرمایا۔ اس گھیرے میں جو آسمان و زمین کے درمیان ہے جو ستاروں اور سورج اور چاند کی رہ گزر ہے۔

یہاں جمہور سے مراد جمہور حکما نہیں

یوں ہی صاحب مدارک کے قول میں جمہور سے مراد جمہور حکما کبھی نہیں ہو سکتے۔ اولاً اس لئے کہ صاحب مدارک تک کسی فلسفی کا یہ قول نہیں تھا کہ چاند و سورج اور ستارے آسمان کے نیچے فضا میں ہیں۔

ثانیاً ـــــ صاحب مدارک نے قرآن کریم میں وارد لفظ "فلک" کی تفسیر فرمائی ہیں، اور قرآن کریم کے الفاظ کی تفسیر قرآن کریم اور احادیث و محاوراتِ اہل عرب اور اقوالِ مفسرین سے کی جاتی ہے۔ گمراہ فلاسفہ کے قول سے نہیں۔

ثالثاً ـــــ حسان بن عطیہ اور ابن زید رضی اللہ تعالیٰ عنہما فلسفی نہیں مفسر ہیں۔ علاوہ ازیں فتح الباری شرح بخاری میں ہے کہ حضرت سلمان فارسی رضی اللہ تعالیٰ عنہ نے ستاروں کے بارے میں فرمایا۔

قال النجوم معلقة بالقناديل من السماء الدنيا كتعليق القناديل في المساجد (ج ۴ ص ۴۸۹)	ستارے اس طرح قندیلوں میں پہلے آسمان سے لٹکے ہوئے ہیں جیسے مسجدوں میں قندیلیں ہوتی ہیں۔

تفسیر کبیر میں حضرت عطا تابعی مشہور مفسر کا قول یہ مذکور ہے۔

وذالك انها في قناديل معلقة بين السماء والارض بسلاسل من النور وذالك السلاسل في ايدى الملئكة فاذا مات من في السماء والارض تساقطت تلك السلاسل من ايدى الملئكة (ج ۸ ص ۳۳۸)	ستارے زمین و آسمان کے درمیان نورانی زنجیروں میں لٹکی ہوئی قندیلوں کے اندر ہیں اور یہ زنجیریں فرشتوں کے ہاتھوں میں ہیں جب زمین و آسمان والے سب مرجائینگے تو یہ زنجیریں فرشتوں کے ہاتھوں سے گر پڑیں گی۔

اسی کے قریب تفسیر عزیزی پارہ عم میں بھی ہے۔

مفسرین کے ان تمام ارشادات سے روشن ہوگیا کہ آیتِ مذکورہ میں "فلک" سے مدار مراد لینا اور اس مدار کا آسمانوں کے نیچے ہونا جمہور مفسرین ہی کا قول ہے۔ اور یہاں "فلک" سے آسمان مراد لینا صرف سید المفسرین حضرت ابن عباس رضی اللہ تعالیٰ عنہما کا قول ہے۔

تو اب اگر کوئی یہ کہے کہ چاند، سورج اور تمام ستارے آسمان کے نیچے زمین و آسمان کی درمیانی فضا میں ہیں۔ تو اس کی تکفیر یا تضلیل یا تجہیل کرنی

کسی طرح بھی مناسب نہیں۔

راجح یہی ہے کہ چاند وغیرہ آسمان کے نیچے ہیں

رہ گئی یہ بات کہ ان دونوں اقوال میں یعنی چاند سورج آسمان میں ہیں۔ یا آسمان کے نیچے فضا میں۔ کون راجح ہے بہت آسان ہے۔

ان مفسرین کے مختلف اقوال میں کسی ایک کی ترجیح کے لئے جب کوئی دلیل منقول نہیں تو لامحالہ عقلی دلیل ہی سے کام لیا جائے گا۔ جیسا کہ اصول فقہ کا مشہور و معروف قاعدہ ہے۔ اور ناظرین کو حیرت ہوگی کہ عقلی طور پر خود ان حضرات کے مسلمات کی بنا پر جمہور مفسرین ہی کے قول کو ترجیح حاصل ہے۔ اس کی تفصیل یہ ہے۔

۱ ــــــ جو لوگ چاند و سورج وغیرہ کو آسمانوں میں مانتے ہیں۔ وہ اس پر متفق ہیں کہ سورج چوتھے آسمان میں ہے۔ تفسیر مدارک میں ہے۔

اجمعوا علی ان الشمس فی الرابعة — ان لوگوں کا اس پر اجماع ہے کہ سورج چوتھے آسمان میں ہے۔

۲ ــــــ زمین سے چوتھے آسمان کا فاصلہ ماننین کے نزدیک چار ہزار برس کی راہ ہے یہ اس تفصیل سے کہ زمین سے آسمان اول کا فاصلہ پانچسو برس کی راہ پھر آسمان کا دَل پانچ سو برس کی راہ۔ اسی تفصیل کے ساتھ ہر آسمان کا دل اور فاصلہ ہے۔ اس تقدیر پر آسمان چہارم کا فاصلہ زمین سے چار ہزار برس کی مسافت ہے۔

۳ ــــــ یہ پانچ سو برس کی مسافت میلوں سے کتنی ہے اس بارے میں نہ حدیث میں کچھ ہے۔ نہ شارحین نے کچھ لکھا ہے۔ بشارحین نے صرف یہ فرمایا کہ مسافت بعیدہ مراد ہے۔ بعض حضرات نے فرمایا کہ تیز رفتار گھوڑا پانچ سو برس میں شب و روز چل کر جتنی مسافت طے کرے وہ مراد ہے۔ مگر یہ بھی

جسم ہے۔ البتہ حکما خواہ قدیم ہوں یا جدید، اہل یونان ہوں خواہ اہل یورپ اس امر پر متفق ہیں کہ زمین کی سطح سے سورج کا فاصلہ نو کروڑ تیس لاکھ میل ہے۔
یہ فاصلہ ہمارے علما کو بھی تسلیم ہے[1]

۴ ــــــــ حدیث[2] سے ثابت ہوا کہ فلک چہارم جس میں یہ لوگ سورج کو مانتے ہیں، سطح زمین سے چار ہزار برس کی راہ ہے۔ اور حکما اور علما کا یہ متفقہ امر ہے کہ سورج سطح زمین سے نو کروڑ تیس لاکھ میل ہے۔ تو ثابت ہو گیا کہ چار ہزار برس کی راہ میلوں سے نو کروڑ تیس لاکھ میل ہوئی"۔ اسے جب آٹھ پر تقسیم کیے" ۱۱۶۲۵۰۰۰ ہوئے! اس سے واضح ہو گیا کہ آسمان اول کا مقعر (نچلا) سطح زمین سے ۱۱۶۲۵۰۰۰ میل ہے۔

۵ ــــــــ اس کے باوجود کہ چاند کا فاصلہ زمین سے گھٹتا بڑھتا ہے۔ مگر ڈھائی لاکھ میل سے زائد کبھی نہیں ہوتا۔ اب ثابت ہو گیا کہ چاند آسمان اول میں نہیں بلکہ اس سے ۱۱۳۷۵۰۰۰ میل نیچے ہے۔

اسی طرح اگر چاند کو آسمان اول میں مانیں (جیسا کہ چاند و سورج کو آسمان میں ماننے والوں کا اجماع ہے) تو یہ لازم آئے گا کہ سورج آسمان میں نہ ہو

---

[1] الملفوظ حصہ چہارم ص ۶۳ مطبوعہ لکھنؤ۔

[2] یہاں ایک خاص بات ذہن میں رکھنی ضروری ہے کہ یہ چار ہزار برس کا فاصلہ زمین کی سطح سے آسمان چہارم کے محدب یعنی اوپر والی سطح تک کا ہے۔ اور نو کروڑ تیس لاکھ کا فاصلہ زمین کی سطح سے سورج تک کے مقعر یعنی سطح زیریں تک کا ہے۔ اور سورج کو یہ لوگ آسمان چہارم کے محدب پر سوار نہیں مانتے بلکہ اس کے ثخن میں بتاتے ہیں۔ اس ثخن کی مقدار کی تعیین کرکے حساب میں پیچیدگی ہے۔ اس لئے ہم نے آسانی کے لئے اس دقیق فرق کو نظر انداز کرکے حساب لگایا ہے۔ اور اگر اس کا لحاظ کرکے اس کا حساب لگایا جاتا تو آسمان اول کا فاصلہ اور بڑھ جاتا۔ منہ

بلکہ ساتویں آسمان کے اوپر کہیں اور رہو۔ کیونکہ جب چاند کو آسمان اول میں مانیں گے اور چاند زمین سے ڈھائی لاکھ میل سے زائد کی دوری پر نہیں۔ تو اس کا حاصل یہ ہوا کہ زمین سے پہلے آسمان کا فاصلہ زیادہ سے زیادہ ڈھائی لاکھ میل ہے۔

اور جب ان حضرات کو یہ بھی مسلم ہے کہ زمین و آسمان کے مابین جتنا فاصلہ ہے اتنا ہی ہر آسمان کا دَل اور دو آسمانوں کے مابین کا فاصلہ بھی ہے تو اس سے لازم آیا کہ ہر آسمان کا دَل اور درمیانی فاصلہ مل کر کل پانچ لاکھ میل ہوا، اس طرح لازم کہ سورج ساتویں آسمان کے اوپر کہیں اور رہو۔ اور یہ بھی ان کے مسلمات کے خلاف ہے۔

غرض کہ زمین سے چاند و سورج کا جو فاصلہ ہے وہ اس پر دلیل قاطع ہے کہ نہ چاند آسمان میں ہے نہ سورج، اگر ان میں سے ایک کو آسمان میں مانتے ہیں تو دوسرے کا آسمان کے نیچے یا آسمان کے اوپر ہونا لازم آتا ہے اس لئے یہ ماننا پڑے گا کہ نہ چاند آسمان میں ہے نہ سورج بلکہ دونوں آسمان کے نیچے ہیں جیسا کہ جمہور مفسرین فرماتے ہیں۔ رہ گئے ستارے تو ان کے بارے میں خود سید المفسرین حضرت ابن عباس رضی اللہ عنہما سے مروی ہے

ان النجوم قناديل معلقة بين السماء والارض بسلاسل من نور بايدى الملئكة	ستارے زمین و آسمان کے درمیان فرشتوں کے ہاتھوں میں نورانی زنجیروں سے لٹکی ہوئی قندیلیں ہیں۔

(سراج منیر ص ۲۹ ج ۴ تفسیر ابو السعود ص ۳۰۹ ج ۸)

اس نص صریح کے ہوتے ہوئے اب اس کی کوئی گنجائش نہیں کہ کوئی یہ کہے کہ حضرت ابن عباس رضی اللہ تعالیٰ عنہما کا مذہب یہ ہے کہ ستارے آسمانوں میں ہیں اس لئے جمہور مفسرین کا یہ قول کہ آیۂ مذکورہ میں فلک سے مراد آسمان کے نیچے کی فضا ہے راجح ہے۔

شرعاً چاند پر پہنچنا ممکن ہے

جب جمہور مفسرین کے قول مختار کی بنا پر چاند آسمان میں نہیں آسمان کے نیچے ہے۔ تو چاند پر کسی بھی انسان کا خواہ وہ کافر ہو خواہ مسلمان خلائی کشتی یا کسی اور مناسب چیز کے ذریعہ پہنچنا شرعاً ممکن۔ اس میں کسی قسم کا کوئی شرعی استحالہ یا قباحت نہیں۔ علما تصریح فرماتے ہیں کہ اہل ہیئت جو کہیں اگر شرع کے مخالف نہ ہو تو اس کے ماننے میں کوئی حرج نہیں۔ علامہ صاوی فرماتے ہیں۔

والاعتقاد بما قاله اهل الهيئة لا يضر وليس في الشرع ما يخالفه

اہل ہیئت کی بات مضر نہیں اور شریعت میں اس کے مخالف کوئی بات نہیں۔

شرح مواقف میں دوائر عشرہ کے بارے میں ہے۔

لا حرج من جهة الشرع في مثلها (ص ۳۷۸)

ان جیسی باتوں میں شریعت کی طرف سے کوئی ممانعت نہیں۔

اس لئے اگر کوئی کہے کہ امریکن خلاباز اپالو کے ذریعہ یا روس کی خلائی کشتی لونا چاند پر پہنچ گئی تو اس کی نہ تو تکفیر جائز نہ تضلیل اور نہ تجہیل اہل علم کا کام۔

شبہات اور ان کے جوابات

بات اس وقت تک نامکمل رہے گی جب تک اس سلسلہ میں پیش کئے جانے والے شبہات کا ازالہ نہ ہو جائے۔

شبہ اولیٰ ارشاد باری ہے۔

تَبٰرَكَ الَّذِیْ جَعَلَ فِی السَّمَآءِ بُرُوْجًا وَّجَعَلَ فِیْهَا سِرٰجًا وَّقَمَرًا مُّنِیْرًا (الفرقان)

بہت عظمت والا ہے وہ جس نے بلندی میں بروج بنائے اور چراغ اور روشنی دینے والا چاند بنایا۔

اس آیت میں لفظ سماء آیا ہے۔ اور سماء کے معنیٰ آسمان ہیں لہٰذا اس آیت سے ثابت ہو گیا کہ چاند و سورج اور وہ ثوابت جن سے بروج کی تصویریں بنتی ہیں سب آسمان ہی میں ہیں۔

جواب سماء کے معنی صرف آسمان ہی کے نہیں بلکہ بلندی اور فضا کے بھی ہیں لغت کی نہایت مشہور متداول کتاب "المنجد" میں ہے۔

اَلسماء "ماتشهد فوقنا كقبة زرقاء، محيط بالارض ماتحيط بالارض من الفضاء الواسع كل ما علاك

ہم اپنے اوپر جو نیلگوں قبہ دیکھ رہے ہیں جو زمین کو گھیرے ہوئے ہے۔ زمین کو گھیرنے والی کشادہ فضا جو بھی تیرے اوپر ہو۔

بیضاوی میں آیت کریمہ "وَاَنْزَلَ مِنَ السَّمَآءِ مَآءً" کے تحت ہے۔

ومن الاولیٰ للابتداء سواء ارید بالسماء السحاب فان کل ما علاک

پہلا من ابتدا کے لئے ہے خواہ سماء سے بادل مراد ہو، اس لئے کہ جو تیرے

سماء او الفلک — اوپر جو وہ سماء ہے خواہ آسمان مراد ہو۔

اسی میں "وما انزل اللہ من السماء من ماء" کی تفسیر میں ہے۔

والسماء یحتمل الفلک والسحاب وجہۃ العلو۔ — سماء آسمان، بادل، بلندی تینوں کا احتمال رکھتا ہے۔

ان عبارتوں سے ظاہر ہو گیا کہ سماء کے معنی صرف آسمان ہی نہیں بلکہ فضا اور بلندی کے بھی ہیں۔ اور جمہور مفسرین کی نصوص گزر چکیں کہ چاند اور بروج وکواکب آسمان کے نیچے ہیں۔ اس لئے تمام مفسرین کے اقوال میں تطبیق کے لئے یہ ضروری ہوا کہ اس آیت میں سماء سے آسمان نہیں بلکہ بلندی یا فضا مراد لی جائے۔ اس تقدیر پر اس آیت کا ترجمہ یہ ہوا۔

بہت عظمت والا ہے وہ جس نے ہمارے اوپر یا فضا میں بروج بنائے اور چراغ اور روشنی دینے والا چاند بنایا۔

علاوہ ازیں علما کا ایک گروہ اس کا قائل ہے کہ ستارے عرش یا کرسی میں ہیں۔ علامہ صاوی لکھتے ہیں۔

هل الكواكب في السماء الدنيا او ثوابت في العرش قولان للعلماء (ج ۴ ص ۲۲۸) — ستارے پہلے آسمان میں ہیں یا عرش میں علما کے دونوں قول ہیں۔

سورۂ ملک میں جو فرمایا اس سے یہی ظاہر ہوتا ہے کہ علامہ صاوی کے نزدیک یہی راجح ہے۔ فرماتے ہیں۔

ولا يخالف ما تقدم من ان الكواكب ثابتة في العرش والكرسي (ج ۴ ص ۱۹۲) — یہ اس کے مخالف نہیں جو گزر چکا کہ ستارے عرش یا کرسی میں ثابت ہیں۔

اب جو علما ثوابت کو عرش یا کرسی میں مانتے ہیں۔ وہ لامحالہ اس آیت میں سماء سے بلندی ہی مراد لیں گے تاکہ ان کا یہ قول اس آیت کے معارض نہ ہو۔ اور جب یہاں سماء سے بلندی مراد لے لیا گیا۔ تو یہ جمہور مفسرین کے مذہب پر بھی منطبق ہو گیا۔

شبہ ثانیہ ارشاد باری ہے

اَلَمْ تَرَوْا کَیْفَ خَلَقَ اللّٰہُ سَبْعَ سَمٰوٰتٍ طِبَاقًا وَّجَعَلَ الْقَمَرَ فِیْهِنَّ نُوْرًا وَّجَعَلَ الشَّمْسَ سِرَاجًا[1]

کیا تم نے نہیں دیکھا اللہ نے کیسے سات آسمان تلے اوپر بنائے اور ان میں چاند کو روشن کیا اور سورج کو چراغ بنایا۔

اس آیت میں "سمٰوٰت" جمع ہے اور اس کی صفت "طباقا" آئی ہے۔ یہ اس پر قرینہ ہے کہ سمٰوٰت آسمانوں کے معنی میں ہے۔ بلندی کے معنی میں نہیں اس لئے یہ قطعی ہے کہ چاند اور سورج آسمانوں ہی میں ہیں۔

جواب یہ کہنا کہ سمٰوٰت جمع بلندی کے معنی میں نہیں آتا درست نہیں سمٰوٰت جمع بھی بلندی کے معنی میں وارد ہے۔ ارشاد ہے۔

اَلَّذِیْ خَلَقَ السَّمٰوٰتِ وَالْاَرْضَ[2] جس نے آسمانوں اور زمین کو پیدا کیا۔

اس کے تحت علامہ صاوی لکھتے ہیں۔

المراد بالسمٰوٰت ما علا فیشمل العرش. (سورہ انعام ج ۲ ص ۲) سمٰوٰت سے مراد ہر وہ چیز ہے جو اوپر ہو اسلئے عرش کو بھی شامل ہے۔

یوں ہی طباقا کے ساتھ وصف بھی اس کی دلیل نہیں کہ آسمان ہی مراد ہوں۔ اس لئے کہ طباق جہنم کی بھی صفت آئی ہے۔ ہواؤں کے طبقات بھی مشہور ہیں۔ ہاں سبع کا لفظ ضرور اس کو متعین کر رہا ہے کہ یہاں سمٰوٰت سے مراد آسمان ہی ہیں۔ اس لئے معترض کی دلیل خواہ درست نہ ہو مگر اس کی مراد تو صحیح ہے۔ اب اس آیت کا ظاہر مفہوم یہ ہوا کہ چاند اور سورج آسمانوں ہی میں ہیں۔

لیکن ناظرین کو حیرت ہوگی کہ اس اتفاق کے بعد کہ اس آیت میں سمٰوٰت آسمان ہی کے معنی میں ہے تمام مفسرین "فِیْهِنَّ" کو اپنے ظاہری معنی سے مئول

---

[1] سورۂ نوح آیت ۱۵ [2] سورہ انعام آیت ۱

مانتے ہیں ۔ اس پر ایک طرح کا اجماع ہو گیا ہے ۔ وہ یوں کہ اس آیت مبارکہ پر ایک شبہہ ہوتا ہے کہ چاند اور سورج ساتوں آسمانوں میں ہرگز نہیں ۔ اور "فیھن" کی ضمیر لوٹ رہی ہے "السمٰوٰت" کی طرف ۔ جس کا مطلب یہ ہوا کہ چاند اور سورج "ساتوں آسمانوں میں ہیں" اور چاند و سورج کا ساتوں آسمانوں میں ہونا ناممکن نہ یہ کسی کا قول پھر "فیھن" فرمانا کیسے درست ہوا ۔ اس کا جواب مدارک میں یہ دیا گیا ۔

ای فی السمٰوٰت وھو فی السماء الدنیا لان بین السمٰوٰت ملابسۃ من حیث انھا طباق فجاز ان یقال فیھن کذا وان لم یکن فی جمیعھن کما یقال فی المدینۃ کذا وھو فی بعض نواحیھا عن ابن عباس وابن عمر رضی اللہ تعالیٰ عنھم ان الشمس والقمر وجوھھما مما یلی السمٰوٰت و ظھورھما مما یلی الارض فیکون نور القمر محیط جمیع السمٰوٰت لانھا لطیفۃ لا تحجب نورہٗ

(سورۂ نوح)

(ان میں) یعنی آسمانوں میں حالانکہ چاند پہلے آسمان میں ہے اسلئے کہ آسمانوں کے مابین ملابست ہے ۔ کیونکہ وہ تلے اوپر ہیں تو یہ کہنا درست ہے کہ آسمانوں میں ہے اگرچہ سب میں نہیں ۔ جیسے کہا جاتا ہے کہ فلاں شہر ——— میں ہے حالانکہ وہ شہر کے کسی گوشہ میں ہے ۔ ابن عباس اور ابن عمر رضی اللہ تعالیٰ عنہم سے مروی ہے کہ چاند و سورج کے چہرے آسمانوں کی طرف ہیں اور پیٹھ زمین کی طرف اس لئے چاند کی روشنی تمام آسمانوں کو محیط ہے کیونکہ وہ لطیف ہیں چاند کی روشنی کو روکتے نہیں ۔

علامہ صاوی نے یہ جواب دیا ۔

ان السمٰوٰت شفافۃ فیری الکل کانہ سماء واحدۃ وما فی واحدۃ کانہ فی الکل (سورۂ نوح)

آسمان شفاف ہیں سب ایسے نظر آتے ہیں ۔ گویا ایک ہی آسمان ہیں ۔ جو ایک میں ہے گویا سب میں ہے ۔

علامہ ابوالبرکات نسفی قدس سرہٗ کے جواب کا خلاصہ یہ ہے کہ اگرچہ چاند سب میں نہیں۔ مگر چونکہ تمام آسمانوں کو پہلے کے ساتھ ملابست ہے۔ اس لئے فرمایا گیا کہ سب میں ہے۔

علامہ صاوی کے جواب کا ماحصل یہ ہے کہ ہمارے دکھائی دینے کے لحاظ سے فرمایا گیا۔

بعینہٖ یہی جواب جمہور مفسرین کی طرف سے دیا جائے گا کہ چاند و سورج حقیقت میں آسمان کے نیچے فضا میں ہیں مگر چونکہ آسمان اس فضا کو ملابس ہے۔ لہٰذا یہ فرمایا کہ آسمانوں میں ہیں۔ یا چونکہ ہمارے دیکھنے میں یہی نظر آتا ہے کہ آسمانوں میں ہیں اس لئے یہ فرمایا گیا۔ نیز یہ بھی کہا جا سکتا ہے کہ کبھی مظروف کی اضافت بجائے ظرف کے ظرف کے مجاور کی طرف کی جاتی ہے جیسے کہا جاتا ہے "عرفات مکہ میں ہے"۔ حالانکہ عرفات حدود حرم کے باہر ہے۔ مگر مجاورت کی وجہ سے اضافت درست ہے۔ اسی طرح چاند و سورج کے مدار آسمان کے مجاور ہیں اس لئے آسمان کی طرف اضافت کر دی گئی ہے۔

کبھی ایسا بھی ہوتا ہے کہ ظرف الظرف کی ظرف مظروف کی نسبت کرتے ہیں جیسے کہتے ہیں کہ انڈے کی زردی چھلکے کے اندر ہے، حالانکہ زردی کے اوپر سفیدی محیط ہے۔ اسی طرح چونکہ وہ فضا جو چاند و سورج کا مدار ہے۔ آسمان سے گھری ہے اس لئے فرمایا گیا کہ آسمانوں میں ہے۔ نیز چھت میں لٹکنے والی قندیلوں کو سب کہتے ہیں کہ چھت میں ہیں۔ اور گزر چکا کہ ستارے قندیلوں میں نورانی زنجیروں کے ذریعہ آسمان میں معلق ہیں اس لئے فرمایا کہ "آسمانوں میں بنایا"۔

خلاصہ یہ کہ اس آیت میں "سمٰوٰت" کے بجائے "فیھن" میں تاویل بہر صورت بہر قول ناگزیر ہے، گویا کہ "فیھن" کے مؤول ہونے پر اجماع مؤتلف ہے۔ پھر یہ انصاف نہیں کہ اپنے پسندیدہ قول پر تاویل تو درست اور ناپسندیدہ قول پر

غلط ہے۔ اگرچہ وہ قول صحابہ کرام کا ہو۔ اجلہ تابعین کا ہو تمہور مفسرین کا ہو۔

شبہ ثالثہ ستاروں کے پہلے آسمان میں ہونے پر متعدد آیتیں دلالت کرتی ہیں۔ ارشاد باری ہے۔

اِنَّا زَيَّنَّا السَّمَاءَ الدُّنْيَا بِزِينَةِ الْكَوَاكِبِ — ہم نے قریب ترین آسمان کو ستاروں کی زینت سے آراستہ کیا۔

سورہ ملک میں فرمایا۔

وَلَقَدْ زَيَّنَّا السَّمَاءَ الدُّنْيَا بِمَصَابِيحَ — ہم نے قریب ترین آسمان کو چراغوں (ستاروں) سے آراستہ کیا۔

جواب ان آیتوں کی توجیہ میں ہمیں اپنی طرف سے کچھ کہنے کی ضرورت نہیں علامہ صاوی قدس سرہ السامی ان علما کی طرف سے جو ثوابت کو عرش یا کرسی میں مانتے ہیں جواب دیتے ہوئے لکھتے ہیں۔

ولا يخالف ما تقدم من ان الكواكب ثابتة فى العرش او الكرسى لان السماء شفافة لا تحجب ما وراءها فتزيين السماء الدنيا بالكواكب لا تقتضى انها ثابتة فيها وهذا فى غير الكواكب السيارة فانها مفرقة على السموٰت السبع فى كل سماء كوكب۔ (ج ۱۲ ص ۱۹۲)

یہ اس کے مخالف نہیں جو گزرا کہ ستارے عرش یا کرسی میں ثابت ہیں اس لئے کہ آسمان شفاف ہیں اپنے پیچھے کی چیز کو دکھائی دینے سے نہیں روکتے اس لئے سماء الدنیا کی ستاروں سے تزیین نہیں چاہتی کہ یہ اس میں ثابت ہیں یہ گفتگو کواکب سیارہ کے علاوہ میں ہے۔ اس لئے کہ یہ ساتوں آسمان میں ہیں ہر آسمان میں ایک ستارہ۔

یہی جواب سورۂ صافات کی آیت کے ضمن میں بھی ارشاد فرمایا ہے۔ دیکھئے صاف تصریح ہے کہ آسمان کی ستاروں سے تزیین اس کی متقضی نہیں کہ ستارے اس میں ثابت ہیں یہ ستارے عرش یا کرسی میں ہیں۔ مگر آسمانوں کے شفاف ہونے کی وجہ سے آسمانوں میں جگمگاتے ہوئے نظر آتے ہیں۔ اس لئے یہ فرمایا

صحیح ہے کہ آسمانِ دنیا ستاروں سے آراستہ ہے۔
یہی تاویل وہ لوگ بھی کریں گے جو ستاروں کو آسمان کے نیچے فضا میں مانتے ہیں کہ حقیقت میں آسمان کے نیچے ہیں۔ مگر ہمیں نظر یہی آتا ہے کہ آسمان میں جڑے ہوئے ہیں، اس لئے یہ فرمانا صحیح ہے کہ "ہم نے آسمان دنیا کو ستاروں سے مزین فرمایا۔"
ہر شخص یہ بخوبی جانتا ہے کہ گھر کی چھت میں اگر زنجیروں میں قندیلیں لٹکا دی جائیں تو یہ قندیلیں ہوں گی چھت کے نیچے۔ مگر یہ کہنا درست ہے کہ گھر کی چھت قندیلوں سے مزین ہے۔ اسی کی طرف "سورۂ حجر" میں اشارہ ہے۔
وَزَيَّنّٰهَا لِلنّٰظِرِيْنَ — ہم نے اسے مزین فرمایا دیکھنے والوں کیلئے

شبہ رابعہ
چاند کے بارے میں علامہ صاوی نے یہ تصریح کی ہے کہ اس پر اتفاق ہے کہ وہ آسمان اول میں ہے۔ اور سورج کے بارے میں صاحب مدارک نے لکھا ہے کہ لوگوں کا اس پر اجماع ہے کہ سورج چوتھے آسمان میں ہے۔

جواب
"خازن" "درمنثور" "تفسیر کبیر" "فتح الباری" وغیرہ کی نصوص صریحہ گزر چکی ہیں کہ چاند و سورج ستارے سب کے سب آسمان وزمین کے مابین ہیں۔ پھر صاوی اور مدارک کی عبارت سے یہ سمجھنا کہ مفسرین کا اجماع واتفاق ہے۔ کسی عاقل کی سمجھ میں آنے والی بات نہیں۔ یہ سمجھنا مزید حیرت کا باعث اس وقت ہو جاتا ہے جب کہ خود صاحب مدارک جمہور کا یہ مذہب نقل کر چکے کہ چاند و سورج آسمان کے نیچے موج مکفوف میں ہیں۔
پھر علامہ صاوی نے سورج کے بارے میں لکھا ہے۔
واختلف فی الشمس فقیل فی السماء — سورج کے بارے میں اختلاف کیا گیا

---

[1] سورۂ نوح [2] سورۂ نوح

الرابعة وقيل فی الخامسة وقیل فی الشتاء فی الرابعة وفی الصیف فی السابعة
(ج ۴ ص ۲۱۳)

ہے کہ کہاں ہے۔ ایک قول یہ ہے کہ چوتھے میں ہے۔ ایک قول یہ ہے کہ پانچویں میں۔ ایک قول یہ ہے کہ جاڑے میں چوتھے میں اور گرمی میں ساتویں میں۔

لامحالہ یہ کہنا پڑے گا اس اتفاق واجماع سے مفسرین کا اتفاق واجماع مراد نہیں بلکہ فلاسفہ کا اتفاق واجماع مراد ہے۔

شبہ خامسہ یہ بھی کہا جاتا ہے کہ چاند کو اللہ عزوجل نے نور اور منیر فرمایا ہے اور یہ لوگ کہتے ہیں کہ بے نور اور کنکر پتھر کا مجموعہ ہے۔

جواب صرف اہل یورپ ہی نہیں بلکہ قدیم یونانی بھی کہتے تھے کہ چاند بذاتہ بے نور ہے مگر سورج کی روشنی پڑنے سے وہ روشن ہو جاتا ہے۔

نور القمر مستفاد من نور الشمس

چاند کی روشنی سورج کی روشنی سے مستفاد ہے

نہ صرف فلاسفہ بلکہ ہمارے علمائے متکلمین نے بھی یہی لکھا ہے۔ علامہ سید شریف "شرح مواقف" میں چاند کے بارے میں لکھتے ہیں۔

فانہ کمد فی نفسہ

چاند بذاتہ بے نور ہے۔

علامہ صاوی حاشیہ جلالین میں لکھتے ہیں۔

وقیل الضیاء ما کان ذاتیا والنور ما کان مکتسبا من غیرہ فلما قام بالشمس یقال لہ ضیاء وما قام بالقمر یقال لہ نور (ج ۲ ص ۱۵۲)

ضیاء کسی چیز کی ذاتی روشنی کو کہتے ہیں اور نور اس روشنی کو جو کسی دوسرے سے حاصل ہو۔ اس بنا پر سورج کی روشنی "ضیاء" اور چاند کی روشنی نور ہے۔

تفسیر سراج منیر میں ہے۔

ولما کان نورہ مستفادا من نور الشمس

چاند کی روشنی سورج کی روشنی سے مستفاد ہے۔

فتاویٰ رضویہ جلد چہارم صفحہ ۶۵ میں ہے۔
"چاند پر شعاع شمسی ہی پڑکر روشنی پیدا ہوتی ہے۔
روشن اور روشنی دینے کے لئے بذاتہ روشن ہونا ضروری نہیں۔
اگر کوئی چیز کسی دوسری چیز سے روشنی اخذ کرکے روشن ہو اور دوسروں کو روشن کرے تو بھی اسے روشن اور روشنی دینے والا کہنا درست ہے۔

خلاصۂ ابحاث

چاند پر انسان کی رسائی ممکن ہے یا نہیں؟ اس بحث کے حل کی خشت اول یہ ہے کہ چاند ہے کہاں؟ آسمان میں یا آسمان کے نیچے۔ اس سلسلے میں چار مذہب ہیں۔ ۱ــــــ قدیم فلاسفۂ اہل یونان بطلیموس وغیرہ کا۔ کہ چاند پہلے آسمان کے ثخن میں ہے۔ اور آسمان ناقابلِ خرق والتیام ہے۔ اس میں کوئی دروازہ بھی نہیں۔ اس لئے انسان کا چاند پر پہنچنا ممکن نہیں۔

۲ــــــ جدید فلاسفۂ یورپ گلیلو وغیرہ کا کہ آسمان کا کوئی وجود ہی نہیں ہے چاند وسورج جملہ ستارے "فضا" میں ہیں۔ انکے مذہب کے رو سے انسان کا چاند پر پہنچنا ممکن ہے، بلکہ انسان چاند تک پہنچ گیا۔

۳ــــــ حضرت عبداللہ بن عباس رضی اللہ تعالیٰ عنہما کا کہ چاند و سورج اور ستارے آسمان میں ہیں۔ اس مذہب کے رو سے اگر آیت کریمہ "وَحَفِظْنٰہا مِن کُلِّ شَیْطٰنٍ الرَّجِیْمِ" میں شیطان کو عام مانا جائے۔ خواہ یہ شیاطینِ جن ہوں، خواہ شیاطینِ انس تو شرعاً کفار ومشرکین کا چاند تک پہنچنا محال ہے۔
اور اگر اسے شیاطین جن کے ساتھ خاص رکھا جائے جس پر قرآن کریم کی متعدد آیات قرینہ ہیں۔ تو کفارِ انس کے چاند پر جانے کے محال ہونے پر ان آیات

سے استدلال درست نہ ہوگا۔

۴ ______ جمہور مفسرین کا مذہب، کہ چاند اور سورج اور تمام ستارے آسمان کے نیچے ہیں۔ اس مذہب کی بنا پر عام انسانوں کا خلائی کشتی یا اور اس قسم کے ذریعہ سے چاند تک پہنچنا شرعاً ممکن ہے۔ اور اس میں ادنیٰ سی شرعی قباحت نہیں اب اگر کوئی جمہور مفسرین کے مذہب کی بنا پر یہ کہتا ہے کہ انسان کا چاند پر پہنچنا ممکن ہے بلکہ اگر کوئی امریکن یا روسی خلا بازوں کی تصدیق بھی کر دے تو نہ اس کی تکفیر جائز اور نہ تفسیق جائز اور نہ اسے جاہل کہنا درست۔

اس خادم کا رجحان اسی طرف ہے کہ جمہور مفسرین ہی کا مذہب راجح ہے اس لئے انسان کا چاند پر پہنچنا شرعاً محال نہیں۔ اس لئے جو لوگ اسے ممکن مانیں بلکہ واقع کہیں۔ ان پر کوئی شرعی الزام نہیں۔

رہ گئی وہ آیتیں جن کے ظاہر سے چاند سورج اور ستاروں کا آسمان میں ہونا متبادر ہوتا ہے۔ وہ سب کی سب مؤول ہیں۔ اور ان میں تاویل پر تمام مفسرین کا اجماع ہے خواہ وہ تاویل کسی نوعیت کی ہو۔ اور جب یہ سب اپنے ظاہری معنی سے مؤول ہیں تو یہ انصاف نہیں کہ آپ کو جو بات پسند ہو۔ اسی کے مطابق تاویل صحیح ہو۔ اور جو بات آپ کو ناپسند ہو۔ اس کے مطابق تاویل کرنی کفر و زندقہ یا ضلالت یا جہالت ہو۔

آسمان کہاں ہے؟

ان ابحاث کو پڑھنے کے بعد ذہن میں ایک سوال ضرور ابھرتا ہے کہ جب چاند سورج اور ستارے آسمان کے نیچے ہیں۔ اور سب سے قریب ترثابتہ کا فاصلہ نوارب اٹھتیس کروڑ میل ہے۔ تو آسمان کا فاصلہ زمین سے کتنا ہے۔ یا معاذ اللہ آسمان موہوم حد کا نام ہے۔ جیسا کہ بعض سائنس زدہ دماغوں نے یہ اپچ کی ہے کہ آسمان فضا کی اس حد فاصل کا نام ہے۔ جہاں سیاروں میں سے ایک کی کشش ثقل ختم ہوتی ہے۔ اور چاند کی شروع ہوتی ہے۔ مثلاً پہلا آسمان وہ حد ہے جہاں زمین کی کشش ثقل ختم ہوتی ہے۔ اور چاند کی شروع ہوتی ہے اور اسی طرح دوسرا آسمان وہ حد ہے جہاں چاند کی کشش ثقل ختم ہوتی ہے۔ اور زہرہ کی شروع ہوتی ہے۔ علیٰ ھٰذا القیاس

یہ خیال سراسر باطل اور قرآن کریم کی صریح نصوص کے معارض ہے۔ ہمارا یہ اعتقاد ہے کہ ہم جو نیلگوں قبہ دیکھ رہے ہیں یہی آسمان ہے۔ ارشاد باری ہے۔

اَفَلَمْ یَنْظُرُوْا اِلَی السَّمَآءِ فَوْقَهُمْ كَیْفَ بَنَیْنٰهَا	کیا انہوں نے آسمان کو نہیں دیکھا کہ ہم نے انھیں کیسا بنایا۔

اور آسمان صرف فضا کا نام نہیں۔ بلکہ وہ سخت ٹھوس چیز ہے۔ فرمایا گیا

وَبَنَیْنَا فَوْقَكُمْ سَبْعًا شِدَادًا	ہم نے تمہارے اوپر سات مضبوط چھتیں چنیں۔

اس میں دروازے بھی ہیں۔ فرماتا ہے

وَلَوْ فَتَحْنَا عَلَيْهِم بَابًا مِّنَ السَّمَاءِ فَظَلُّوا فِيهِ يَعْرُجُونَ

اور اگر ہم ان کے لئے آسمان کا کوئی دروازہ کھول دیں اور یہ اس میں چڑھ بھی جائیں۔

آسمان کے بارے میں ان تفصیلات کے ہوتے ہوئے اس کے وجود سے انکار کرنا یا اسے خلائے محض بتانا۔ ان آیات کا انکار اور کفر ہے۔

اب رہ گیا یہ سوال کہ آسمان کا فاصلہ زمین سے کتنا ہے؟ اس کا جواب میلوں یا مساحت کے کسی پیمانے سے دینا ناممکن ہے۔

ترمذی شریف کی ایک حدیث میں یہ بتایا گیا ہے کہ زمین سے پہلے آسمان کا فاصلہ پانچ سو برس کی راہ ہے۔ اور اسی طرح ایک آسمان کا دوسرے آسمان سے پانچ سو برس کی راہ کا فاصلہ ہے۔

آسمانوں کے دَل کے بارے میں صاوی شریف میں ہے کہ وہ بھی پانچ سو برس کی راہ ہے۔ سورۂ نوح کی تفسیر میں ہے۔

وسمك كل واحد خمس مأة عام — ہر ایک کا دَل پانچ سو برس کی راہ ہے۔

لیکن جیسا کہ میں پہلے بھی بتا آیا ہوں۔ یہ پانچ سو برس کی راہ کس رفتار سے لی جائے۔ یہ کہیں مذکور نہیں۔ دوسری حدیث میں بجائے پانچ سو برس کے اکہتر، بہتر، تہتر برس وارد ہے۔ لامحالہ شُرّاح حدیث کو ان میں تطبیق کے لئے یہ کہنا پڑا کہ حدیث ثانی میں اکہتر، بہتر، تہتر سے عدد معین مراد نہیں بلکہ کثرت ہے۔

حضرت شیخ عبدالحق محدث دہلوی قدس سرہٗ فرماتے ہیں۔

طیبی گفتہ کہ مراد بہ سبعین مبالغہ است نہ عدد معین کہ ایں عدد برائے مبالغہ بسیار آمد۔ (اشعۃ اللمعات ج ۴ ص ۴۶۱)

طیبی نے کہا ہے کہ ستر سے مراد مبالغہ ہے عدد معین نہیں۔ اور یہ عدد مبالغہ کے لئے بہت آتا ہے۔

بعض حضرات نے کہا یہ اعداد میں اختلاف، رفتار کے اختلاف کی بنا پر

ہے ایک رفتار سے پانچسو برس کی راہ اور دوسری اس سے تیز رفتار سے اکہتر، بہتر، تہتر، مگر ان دونوں سے عمدہ تطبیق وہ ہے جو استاذی صدر العلما خیر الاذکیا حضرت علامہ سید غلام جیلانی صاحب مدظلہ العالی نے "تصحیح النظر" میں ذکر فرمائی ہے کہ ان دونوں احادیث میں مراد کثرت اور مبالغہ ہے عدد معین نہیں اس توجیہ کی بنا پر ان احادیث کا مطلب یہ ہے کہ زمین سے آسمان بہت دور دراز فاصلے پر ہے۔

اب ہر شخص پر روشن ہوگیا کہ ان احادیث کی بنا پر زمین سے آسمان کا فاصلہ میلوں یا مساحت کے کسی پیمانے سے معین کر کے نہیں بتایا جا سکتا۔ اور جب زمین سے آسمان کا فاصلہ مساحت کے پیمانوں سے نہیں بتایا جا سکتا تو ستاروں کے زمین سے طول طویل فاصلوں سے گھبرا کر یہ نہیں کہہ سکتے کہ جب کروڑوں نوری سال کے فاصلے پر ستارے ہیں تو آسمان کہاں ہیں؟

ستارے کروڑوں ہی نہیں سنکھوں سال نوری کے فاصلے پر ہوں۔ کوئی معارضہ نہیں اور آسمان ان ستاروں سے بھی سنکھوں مہا سنکھوں نوری سالوں کے فاصلے پر مانا جائے تو بھی کوئی استحالہ عقلاً یا شرعاً نہیں۔

خلاصہ یہ کہ ستاروں کا جو بھی فاصلہ ہو آسمان ان کے اوپر ہے۔ اور چاند و سورج اور تمام ستارے آسمان کے نیچے فضا میں ہیں۔

ضروری انتباہ

حکمائے یونان کہتے ہیں کہ زمین چاند، سورج، سیارے، ثوابت سب ساکن ہیں وہ آسمان، جن میں یہ مرکوز ہیں حرکت کرتے ہیں۔ آسمان کی متابعت میں ان کے اندر حرکتِ عرضی پائی جاتی ہے۔

اہل یورپ یہ کہتے ہیں کہ آسمان کا وجود ہی نہیں۔ اس لئے ان کی حرکت کا سوال ہی پیدا نہیں ہوتا۔ زمین اور دیگر سیارے اور ثوابت حرکت کرتے ہیں۔ زمین ہی کی حرکت کے نتیجے میں دن، رات، صبح شام جاڑا، گرمی بہار، خزاں کے انقلابات ہوتے ہیں۔

قرآن مجید اور احادیث کی رو سے آسمان کا وجود ہے اور قطعی طور پر ہے۔ اس کا انکار عیاناً نظر آنے والی چیز کا انکار ہے۔ اسلئے بات تشنہ رہ جائے گی اگر شرعی اعتبار سے یہ نہ واضح کر دیا جائے کہ زمین و آسمان میں کون متحرک ہے اور کون ساکن، یا دونوں ساکن ہیں اور حرکت صرف چاند و سورج اور ستاروں میں ہے۔

قرآن مجید اور احادیث کریمہ کی روشنی میں چاند و سورج اور ستاروں کی حرکت قطعی ہے۔ اس میں ادنیٰ سے شبہ کی بھی گنجائش نہیں۔ ارشاد ربانی ہے۔

كُلٌّ فِي فَلَكٍ يَسْبَحُونَ — یہ سب ایک گھیرے میں پیر رہے ہیں۔

"کل" اپنے عموم کے اعتبار سے چاند اور سورج، ستارے سب کو شامل ہے جلالین میں ہے۔

كُلٌّ تَنْوِيْنُهُ عِوَضٌ عَنِ الْمُضَافِ إِلَيْهِ مِنَ الشَّمْسِ وَالْقَمَرِ وَالنُّجُوْمِ (سورہ یٰس) — "کل" کی تنوین مضاف الیہ کے عوض ہے یعنی چاند اور سورج، ستارے سب۔

سورج کے لئے قرآن عظیم میں یوں فرمایا گیا ہے۔

وَالشَّمْسُ تَجْرِي لِمُسْتَقَرٍّ لَّهَا — سورج اپنے مستقر کی طرف چلتا ہے۔

اور چاند کے بارے میں یوں فرمایا گیا۔

وَالْقَمَرَ قَدَّرْنٰهُ مَنَازِلَ حَتّٰى عَادَ كَالْعُرْجُوْنِ الْقَدِيْمِ (سورۂ یٰس) — اور ہم نے چاند کی منزلیں مقرر فرما دی ہیں یہاں تک کہ وہ کھجور کی پرانی ٹہنی کے مثل لوٹ آتا ہے

مذکورہ بالا تینوں آیتیں اس پر نص قطعی ہیں کہ چاند و سورج ستارے حرکت کرتے ہیں۔ علامہ صاوی فرماتے ہیں۔

بل ان الفلک ساکن والسیر للکواکب ھو الذی یدل علیہ لفظ القرآن۔ — ایک قول یہ ہے کہ آسمان ساکن ہے اور رفتار ستاروں میں ہے اسی پر قرآن کا لفظ دلالت کرتا ہے۔

اور جہاں تک قرآن کریم کے ظاہر نصوص سے مستفاد ہے وہ یہی ہے کہ زمین و آسمان دونوں ساکن ہیں۔ دن رات اور موسمی تغیرات سورج کی رفتار سے ہوتے ہیں زمین اور آسمان میں کسی قسم کی کوئی حرکت نہیں۔ ارشاد باری ہے۔

اِنَّ اللّٰهَ يُمْسِكُ السَّمٰوٰتِ وَالْاَرْضَ اَنْ تَزُوْلَا وَلَئِنْ زَالَتَا اِنْ اَمْسَكَهُمَا مِنْ اَحَدٍ مِّنْ بَعْدِهٖ (سورۂ فاطر) — اللہ تعالیٰ آسمانوں اور زمین کو روکے ہوئے ہے کہ جنبش نہ کریں اور اگر وہ ہٹ جائیں تو انھیں کون روکے اللہ کے سوا۔

اور ظاہر ہے کہ حرکت جنبش ہی کا نام ہے اس لئے اس آیت کا صریح مدلول یہ ہوا کہ زمین و آسمان دونوں ساکن ہیں ان میں کسی قسم کی کوئی حرکت نہیں۔ زمین و آسمان کے سکون پر امام اہلسنت اعلیٰ حضرت امام احمد رضا خاں صاحب بریلوی قدس سرہ نے "نزول آیات فرقان بسکون زمین و آسمان" اور "نوز مبین در رد حرکت زمین" میں عقلی اور نقلی براہین قاطعہ قائم فرمائے ہیں کہ زمین و آسمان ساکن ہیں جن کے مطالعہ کے بعد زمین و آسمان کے سکون پر کسی شک و شبہ کی گنجائش باقی نہیں رہتی۔ ھذا ما ظھر لی والعلم بالحق عند ربی لعلہ یحدث بعد ذلک امرا۔
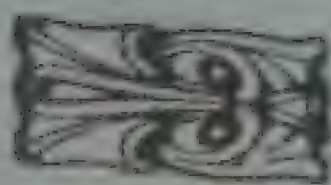
باادب

معروضات

بملاحظہ عالیہ صدر العلما بدر الفضلا سیدی
واستاذی مولانا شاہ سید غلام جیلانی صاحب
قبلہ مدظلہ العالی وفیضہ البحاری شارح بخاری

"زچشم آستیں بردار گوہر را تماشا کن"

کفش بردار
امجدی
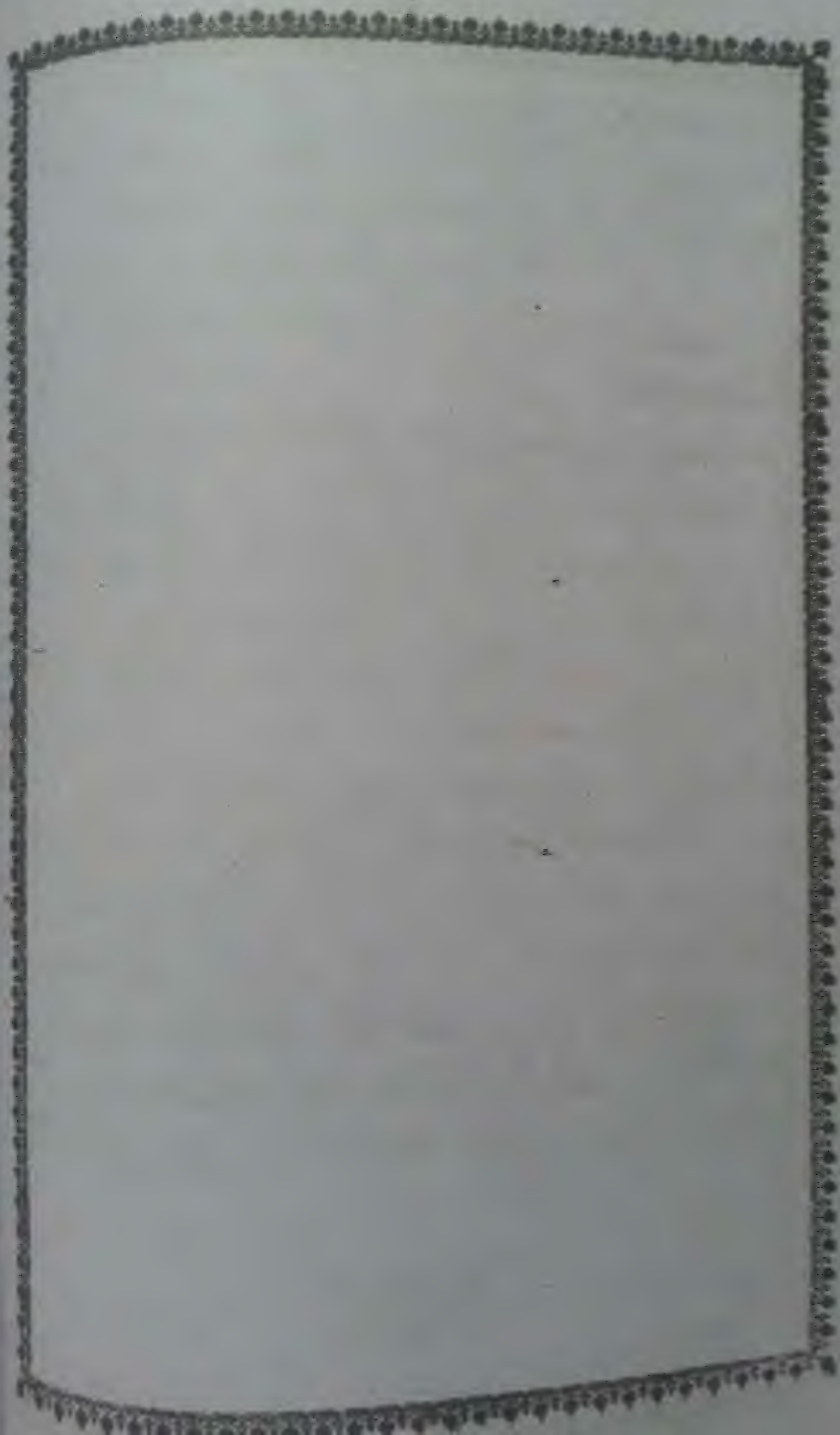
چونکہ "صحیح النظر" میرے ابتدائی مضمون کا رد ہے۔ اور وہ اس مسئلہ میں سرکار کی پہلی تحقیق ہے اس لئے دو ایک باتیں اس سے متعلق بھی معروض ہیں۔

ارشاد نمبر ۱ یہ قول باطل ٹھہرا کہ شمس و قمر اس فضائے زیریں میں ہیں اور شمسی و قمری نظام اسی فضا میں قائم ہے اور باطل کیسے نہ ہوگا کہ نص قطعی الثبوت اور قطعی الدلالہ کے منافی ہے۔ صحیح النظر صـ ۳

عرض افادہ فرمائیں کہ نص قطعی الثبوت اور قطعی الدلالۃ کے منافی جو قول ہوگا وہ کفر ہوگا کہ نہیں۔ اگر نہیں تو کیا ہے۔ ارشاد فرمائیں۔

جو بھی حکم ہو ان جمہور مفسرین کے بارے میں کیا فتویٰ ہے جو یہ ارشاد فرماتے ہیں کہ چاند و سورج اور ستارے آسمان کے نیچے موج مکفوف میں ہیں۔ نیز حضرت سلمان فارسی رضی اللہ تعالیٰ عنہ حسان بن عطیہ اور عبد الرحمٰن بن زید کے بارے میں بھی ارشاد ہو کہ یہ کون ہوئے ان کو جانے دیجئے آپ کی تحقیق کے پیش نظر حضرت ابن عباس رضی اللہ تعالیٰ عنہما کا ہر قول مطلقاً تفسیر میں ہمیشہ راجح ہوتا ہے تو فرمائیں کہ حضرت ابن عباس سے عینی و فتح الباری میں آیۃ کریمہ کُلٌّ فِی فَلَکٍ یَّسْبَحُوْنَ کی تفسیر یہ منقول ہے ای یدورون حولہ۔ چاند سورج اور ستارے فلک کے گرد گھومتے ہیں۔ اور جب چاند و سورج اور ستارے فلک کے گرد گھومتے ہیں اور آپ کی تحقیق سے فلک سے مراد آسمان تو ثابت ہوا کہ چاند و سورج اور ستارے آسمان میں نہیں آسمان کے گرد گھومتے ہیں۔ تو اب دو صورتیں ہوئیں کہ یہ آسمان کے ارد گرد آسمان کے اوپر ہیں یا نیچے بہر تقدیر آسمان میں نہیں ہوئے۔ تو یہ قول بھی بتحقیق حضور نص قطعی الثبوت اور قطعی الدلالۃ کے منافی ہوا۔ تو فرمائیے حضرت ابن عباس کے بارے میں کیا ارشاد ہے نیز چونکہ حضرت ابن عباس رضی اللہ تعالیٰ عنہما کا ہر قول قول رسول ہے تو فرمائیے کہ اب بات کہاں تک پہنچی؟

ارشاد نمبر ۲۔ علمائے شریعت شمس کے بارے میں مختلف ہیں اور چاند کے

بارے میں کسی کا اختلاف نہیں سب کے سب متفق ہیں کہ وہ پہلے آسمان میں ہے۔ صحیح المسلک ص

عرض وہ جمہور مفسرین جو چاند و سورج اور ستاروں کو آسمان کے نیچے موج مکفوف میں مانتے ہیں یہ علمائے شریعت ہیں یا نہیں اگر علمائے شریعت ہیں تو حضور والا کا یہ ارشاد صداقت سے خالی ہوا کہ نہیں ؟

سرکار فرمائیں یہ تعجیل ہی کا تو نتیجہ ہے۔

اور اگر یہ فرمائیں کہ علمائے شریعت نہیں تو علامہ ابوالبرکات نسفی قدس سرہٗ کے بارے میں کیا ارشاد ہے۔ جنھوں نے ان علمائے غیر شریعت کا قول قرآن مجید کے لفظ کی تفسیر میں حضرت ابن عباس رضی اللہ تعالیٰ عنہما کے مقابلہ میں ذکر فرمایا اور یہ نہیں ظاہر فرمایا۔ کہ یہ علمائے شریعت نہیں نیز اپنے اس ارشاد کو نہ بھولیں کہ صحیح المسلک ص۱۱ پر حضور والا نے انھیں جمہور مفسرین فرمایا ہے۔ کیا جمہور مفسرین بھی علمائے شریعت نہیں۔ ؟

ان کو جانے دیجئے حضرت حسان بن عطیہ اور عبدالرحمن بن زید علمائے شریعت سے ہیں یا نہیں۔ اگر نہیں۔ تو حضرت حسان بن عطیہ کے بارے میں حضور والا کا یہ ارشاد کیسے درست ہوگا؟ حضور والا نے فرمایا ہے۔

اجلۂ تابعین وہ تو دو نہیں مؤخر الذکر تو ضعیف ہیں جن کی روایت قابل اعتماد نہیں تو صرف ایک اول الذکر رہ گئے۔ صحیح المسلک ص۲۰

اس کا صاف مطلب یہ ہے کہ حضرت حسان بن عطیہ اجلۂ تابعین میں سے ہیں کیا اگر اجلۂ تابعین علمائے شریعت نہیں تو پھر کون ہیں۔ ارشاد فرمائیں۔

ارشاد نمبر ۳ اس کے بعد مفتی صاحب ان اقوال کو بطور اختصار شمار کرنے کے پیش نظر تحریر کرتے ہیں۔ خازن نے فلک کی تفسیر میں پانچ اقوال نقل فرمائے۔ علے ۱ مطلق گولائی، ۲ آسمان، ۳ آسمان کی گولائی، ۴ موج مکفوف ۵ اب چشمہ لگا کر بغور دیکھا جائے کہ ترجمہ میں دوسرا قول (چکی) ہے یا (مطلق گولائی)

عرض :- یقیناً میں نے اختصار کے پیش نظر قول ثانی مطلق گولائی لکھا ہے

اور یہ بھی صحیح ہے کہ خازن نے قول ثانی کو لفظ "طاحون" سے تعبیر فرمایا ہے جس کا ترجمہ چکی ہے۔ اور میں نے یہی ترجمہ کیا ہے۔ اگر خازن نے صرف "طاحون" فرما کر چھوڑ دیا ہوتا آگے اسکی تفصیل میں کچھ اور نہ فرمایا ہوتا تو اختصار کے موقع پر میرا اسے مطلق گولائی سے تعبیر کرنا غلط ہوتا۔ اور ضرور غلط ہوتا۔ مگر خازن نے صرف "طاحون" پر اکتفا نہیں فرمایا ہے بلکہ "طاحون" کے بعد یہ عبارت بھی ہے۔

کھیئۃ المغزل یرید ان الذی تجری فیہ النجوم مستدیر کاستدارۃ الرحیٰ — تکلے کے ٹکڑے کے مثل مطلب یہ ہیکہ ستاروں کی رہ گزر چکی کے مثل گول ہے۔

اب حضور والا ہی اس پر نظر ثانی فرما کر ارشاد فرمائیں کہ جب صاحب خازن طاحون کہہ کر اسکی تشریح یہ فرماتے ہیں "تکلے کے ٹکڑے کے مثل مطلب یہ ہے کہ ستاروں کی راہ گزر چکی کے مثل گول ہے" تو اس کا اختصار صرف چکی ہوا کہ مطلق گولائی۔

اگر خازن کی اس پوری عبارت کا ماحصل صرف "چکی" ہے تو کھیئۃ المغزل یرید ان الذی تجری فیہ النجوم مستدیر کاستدارۃ الرحیٰ کا فرمانا لغو وحشو، زائد ہوا یا نہیں۔ نیز اگر مستدیر کاستدارۃ الرحیٰ کا اختصار مطلق گولائی درست نہیں تو حضور والا نے المسلک کے صفحہ ۹ پر منقول جلالین کی عبارت مستدیر کالطاحونۃ کی توضیح میں یہ ارشاد فرمایا فلک کے معنی ہیں (مستدیر یعنی گھیرا) مستدیر خازن میں بھی ہے۔ اور مستدیر جلالین میں بھی۔ خازن میں کاستدارۃ الرحیٰ ہے اور جلالین میں کالطاحونۃ پھر خازن میں وارد لفظ مستدیر کاستدارۃ الرحیٰ کا اختصار مطلق گولائی کیوں غلط ہے۔ اور جلالین میں وارد لفظ مستدیر کالطاحونۃ کی توضیح مطلق (گھیرا) کیسے درست؟ دونوں میں وجہ فرق ارشاد ہو۔

ارشاد نمبر ۴

خازن نے پانچویں قول کو بایں لفظ نقل فرمایا وقیل الفلک موج مکفوف دون السماء جس کا ترجمہ ہے کہ فلک موج مکفوف ہے آسمان کے نیچے جو مفتی صاحب کے مسلک سے مطابق تھا لیکن ترجمہ گڑھ ڈالا کہ (فلک سے مراد ہے موج مکفوف آسمان کے علاوہ) جو

ان کے مختار مسلک کو مستلزم نہیں کہ (علاوہ) میں تعمیم ہے خواہ آسمان سے نیچے ہو یا اوپر۔

عرض حضور والا کی تحقیق کی بنا پر مطلقاً راجح اقوال پر مشتمل کتاب جلالین میں آیہ کریمہ مِنْ دُوْنِ اللّٰہِ" کی تفسیر میں "اَیْ غَیْرِہٖ" ہے حضور ارشاد فرمائیں کہ غیرہ کا صحیح ترجمہ "اس کے علاوہ" ہے یا "اس کے نیچے" نیز حضور والا یہ بھی ارشاد فرمائیں کہ اپنی ارجح اقوال والی کتاب کی تفسیر پر خود تنقید فرما کر سرکار نے اسکے مطلقاً ارجح اقوال پر مشتمل ہونے کے ادعا کو ختم فرما دیا یا نہیں۔

علاوہ ازیں علامہ صاوی لفظ "دون" کی تحقیق میں فرماتے ہیں۔

ھی فی الاصل ظرف مکان للمکان الادنی یقال "جلس فلان فی مکان دون مکان زید" یعنی ادنی منہ ثم اطلق الدون ویراد بہ الغیرۃ من اطلاق الملزوم وارادۃ اللازم لکن صار حقیقۃ عرفیۃ فی الغیر (ص۶ ج۱)	"دون" ظرف مکان ہے۔ قریب کی جگہ کے لئے بولا جاتا ہے کہا جاتا ہے فلاں اس جگہ بیٹھا جو زید کی جگہ کے قریب ہے یعنی اس کے قریب پھر دون بول کر غیر ہونا مراد لیا گیا ملزوم بول کر لازم لیکن اب "دون" غیر کے معنی میں حقیقت عرفی ہوگیا۔

ارشاد فرمائیے۔ جب عارف باللہ علامہ صاوی قدس سرہ السامی تصریح فرماتے ہیں کہ دون غیر کے معنی میں حقیقت عرفی ہوگیا۔ تو فرمائیں دون کا ترجمہ علاوہ صحیح ہے۔ یا نہیں۔ اور دون کا ترجمہ نیچے غلط ہے یا نہیں؟

اعلیٰ حضرت قدس سرہٗ نے اس آیت میں دُوْنِ اللّٰہِ کا ترجمہ یہ فرمایا "اللہ کے سوا" یہ ترجمہ صحیح ہے یا غلط سوا اور علاوہ ہم معنی ہے یا نہیں۔ حضور والا نے دون کا ترجمہ "نیچے" فرما کر اور میرے کئے ہوئے ترجمہ علاوہ پر تنقید کر کے یہ افادہ نہیں فرمایا کہ دون کے صحیح معنی نیچے کے ہیں اور "سوا" غلط۔ اس تقدیر پر اعلیٰ حضرت قدس سرہ کے ترجمہ کو غلط قرار دے دیا یا نہیں؟

ارشاد نمبر ۵:۔ اس کے بعد تحریر کیا ان دو مفسرین کے مختلف اقوال

میں کسی ایک کی ترجیح کے لئے جب کوئی دلیل منقول نہیں تو لامحالہ عقلی دلیل سے کام لیا جائے گا، اس عبارت سے مفہوم ہوتا ہے کہ دونوں اقوال میں ترجیح تو واقع ہوئی ہے مگر اس کی کوئی دلیل منقول نہیں کہ ایک کو دوسرے پر کسی دلیل سے ترجیح دی گئی اب ناظرین پر روشن ہو گیا کہ مفتی صاحب موصوف کی یہ دونوں عبارتیں متناقض ہیں کہ اول عبارت میں ترجیح کی نفی ہے اور دوسری میں اثبات ہے

عرض سرکار ارشاد فرمائیں کہ "دلیل منقول نہیں" دلیل موصوف اور منقول کو صفت قرار دیں جو میری مراد ہے تو کیا استحالہ ہے خصوصاً آگے کا جملہ "تو لامحالہ دلیل عقلی سے کام لیا جائے گا" اس پر قرینہ واضحہ ہے کہ دلیل منقول میں ترکیب توصیفی ہے۔ اس قرینہ واضحہ کے ہوتے ہوئے میری مراد کے خلاف "کوئی دلیل" کو مبتدا اور منقول نہیں کو خبر قرار دے کر زبردستی تناقض پیدا کرنا۔ اپنے نیاز مند کی بلا وجہ تجہیل کی سعی لاحاصل ہے ــــ یا نہیں۔؟

ارشاد نمبر ۶ اب سنئے ترجیح کی نفی قصور فہم پر مبنی ہے، یہ سنکر آپ کو حیرت ہوگی کہ چاند و سورج کا آسمان کے نیچے فضا میں ہونا جو جمہور مفسرین کا قول ہے اور اس کی مرجوحیت ایسی کتاب میں موجود ہے جو عربی مدارس میں عموماً ہر سال پڑھائی جاتی ہے اس کتاب کا نام ہے جلالین شریف اس میں جمہور مفسرین کے اس قول کو مرجوح قرار دیا گیا ہے امام سیوطی علیہ الرحمہ نے اس کے خطبے میں فرمایا ہے کہ اس تفسیر میں راجح قول بیان کروں گا ان کے الفاظ کریمہ یہ ہیں "والاعتماد علی ارجحھا"

عرض حضور والا اس میں تو کوئی شک نہیں کہ علامہ جلال الدین سیوطی قدس سرہٗ نے دیباچے میں اس کی تصریح کی ہے کہ اس تفسیر میں ارجح اقوال پر اعتماد ہے۔ مگر خطبہ یا دیباچہ یا کہیں یہ نہیں کہ اس کتاب میں راجح قول بیان کیا جائے گا حضور والا نے جو عبارت نقل فرمائی ہے اس میں بھی یہی ہے۔ والاعتماد علی ارجحھا۔ علی راجحھا نہیں۔ راجح اسم فاعل ہے

اس کا مقابل ضرور مرجوح ہے مگر ارجح اسم تفضیل ہے۔ ارجح کا مقابل مرجوح نہیں راجح ہے۔ اس کی نظیر صحیح اور اصح ہے کہ فقہا نے تصریح فرمائی ہے کہ اگر کسی مسئلہ میں دو متضاد روایتیں ہوں ان میں سے ایک صحیح دوسرے کو اصح فرمایا گیا ہو تو صحیح کا اخذ بمقابلہ اصح کے اولیٰ ہے۔ اس کی علت یہی بیان فرمائی کہ صحیح کا مقابل فاسد ہے۔ اور اصح کا مقابل صحیح تو اصح فرمانے والے نے تسلیم کر لیا کہ مقابل روایت بھی صحیح ہے اس طرح دونوں اس کی صحت پر متفق ہو گئے شامی میں شرح منیہ سے ہے۔

ان الاخذ بالصحیح اولیٰ من الاصح لان مقابل الاول فاسد و مقابل الثانی صحیح فقائل الاصح موافق قائل الصحیح دون العکس والاخذ بما اتفقا علی انه صحیح اولیٰ (ج ۱ ص ۳۹۹)

صحیح کا اخذ بمقابلہ اصح کے اولیٰ ہے اسلئے کہ اول کا مقابل فاسد ہے اور ثانی کا مقابل صحیح تو اصح کا قائل صحیح کے قائل کے موافق ہے۔ اس کا عکس نہیں۔ اور جس کی تصحیح پر دونوں متفق ہوں اس کو اختیار کرنا اولیٰ ہے۔

اس لئے جلالین میں کسی قول کا ذکر کیا جانا جلالین کے نزدیک اس قول کے ارجح ہونے کی دلیل ضرور ہے مگر اس کے مقابل کے مرجوح ہونے کی دلیل ہرگز نہیں۔ ارشاد فرمائیں یہی وہ نکتہ تو نہیں جس کی بنا پر سرکار نے ارجح کا ترجمہ راجح فرمایا ہے؟

جلالین کے فلک کی تفسیر میں مستدیر کا طاحونۃ فی السماء فرمانے سے یہ تو معلوم ہوا کہ اس کے مصنف کے نزدیک یہ قول ارجح اقوال ہے۔ مگر مقابل کا مرجوح ہونا ثابت نہ ہوا بلکہ مقابل کا راجح ہونا متبادر ہوتا ہے۔ لہذا جلالین میں "فی السماء" کے محض مذکور ہونے کو جمہور مفسرین کے قول کے مرجوح ہونے کی دلیل بنانا کس طرح درست ہے۔ اسے ظاہر فرمائیں۔ علاوہ ازیں علامہ سیوطی قدس سرہٗ کا یہ فرمانا "والاعتماد علی ارجحھا" دلیل ہے۔ تو

اس بات کی کہ اس میں مذکور ہر قول مصنف کے نزدیک ارجح یا بقول حضور راجح ہے اس سے ان سب کا فی نفسہ ارجح یا راجح ہونا کہاں لازم ہے ؟ اور اگر حضور یہی فرمائیں کہ نہیں لازم ہے۔ جلالین میں مذکورہ تمام باتیں فی نفسہ بھی راجح ہیں تو ارشاد فرمائیں۔ جلالین کے دونوں مصنف شافعی ہیں۔ اور انھوں نے احناف و شوافع کے مابین مختلف مسائل میں ہر جگہ اپنے امام، امام شافعی کا قول اخذ کیا ہے تو لازم کہ ان تمام مختلف فیہ مسائل میں جو جلالین میں مذکور ہیں امام شافعی کے اقوال راجح ہوں اور احناف کے اقوال مرجوح حضور والا ارشاد فرمائیں کہ حضور جیسے مذہب حنفی کے عمادِ قوی نے شوافع کو، مذہب احناف کے مرجوح ہونے کی ایک زبردست دلیل عنایت فرمادی یا نہیں ؟ احناف و شوافع کے مابین مختلف فیہ مسائل سے قطع نظر ایک نہیں دسیوں مثالیں جلالین کے دونوں حصوں سے دی جاسکتی ہیں کہ انھوں نے جو قول اختیار فرمایا۔ وہ درحقیقت مرجوح بلکہ موضوع و مردود ہے۔ مثلاً الغرانیق العلیٰ کی روایت حضرت زینب کے نکاح کے سلسلے کی روایت۔ وغیرہ وغیرہ۔

اب یہ فیصلہ حضور والا ہی کی عدالت میں ہوگا کہ جب جلالین میں راجح کے ساتھ مرجوح صحیح کے ساتھ غلط، مقبول کے ساتھ مردود اقوال بھی خلط ملط ہیں۔ تو جلالین میں کسی قول کا مذکور ہونا اسکی کیسے دلیل بن سکتا ہے کہ وہ فی نفسہ راجح اور صحیح اور مقبول ہے اس کا مقابل مرجوح ہے۔

ارشاد نمبر ۷ اور امام سیوطی علیہ الرحمہ کے نزدیک یہی راجح ہے اور یہ بھی واضح ہوگیا کہ امام سیوطی علیہ الرحمہ کے نزدیک انکی درمنثور میں مذکورہ اقوال حسان بن عطیہ اور ابن زید اور تفسیر السراج المنیر وغیرہ میں مذکورہ روایت قابل اعتماد نہیں جن میں چاند و سورج اور ستاروں کو زیر سما بتایا گیا ہے اور ان کو آپ نے اپنے مدعا کے ثبوت میں اپنی کتاب کے صفحہ ۵۹ پر پیش کیا ہے۔ (المسلک صفحہ ۹)

عرض حضور والا نے پہلے تو جلالین میں مذکور ہونے کو مطلقاً راجح اور اس کے مقابل کے مرجوح ہونے کی دلیل بنایا اور اسے بڑے شد و مد سے بیان فرمایا۔ جو ارشاد نمبر ۶ میں مذکور ہے۔ مگر یہاں کیوں تنزل ہے۔ کہ ارشاد ہوا۔ امام سیوطی علیہ الرحمہ کے نزدیک ہی راجح ہے۔

علامہ سیوطی علیہ الرحمہ کے نزدیک راجح ہونے سے اگر فی نفسہٖ راجح ہونا لازم ہے۔ تو نمبر ۶ کے جوابات ارشاد فرمائیں اور اگر جواب یہ ارشاد فرمائیں کہ ان کے نزدیک راجح ہونے سے فی نفسہٖ راجح ہونا لازم نہیں۔ تو اس کو یہاں ذکر کرنے سے کیا فائدہ یہاں بحث یہ ہے کہ فی الواقع کون راجح ہے کون مرجوح اس سے بحث نہیں کہ فلاں تفسیر کے مصنف کے نزدیک کیا راجح اور کیا مرجوح ہے؟

نیز سرکار کی پیش کردہ عبارت "مستدیر کالطاحونۃ فی السماء" سورہ انبیا کی آیت کے تحت ہے۔ جو سترہویں پارے میں ہے۔ اور یہ حصہ علامہ سیوطی کا لکھا ہوا نہیں بلکہ علامہ محلی کا ہے۔ تو ثابت ہوا تو یہ ثابت ہوا کہ یہ قول راجح ہے علامہ محلی کے نزدیک اور یہ لازم نہیں کہ جو قول علامہ محلی کے نزدیک راجح ہو وہ علامہ سیوطی کے نزدیک بھی راجح ہو۔ ہو سکتا ہے کہ ایک قول علامہ محلی کے نزدیک ارجح ہو اور علامہ سیوطی کے نزدیک مرجوح ہو نیز افادہ فرمائیں۔ کہ علامہ محلی کے قول کو علامہ سیوطی کی طرف منسوب کر دینا جوش جلال کا نتیجہ نہیں تو اور کیا ہے۔ پھر یہ ارشاد ہو کہ جب یہ حصہ علامہ محلی کا تصنیف کردہ ہے اور ان کے نزدیک ارجح ہونے سے علامہ سیوطی کے نزدیک ارجح ہونا لازم نہیں۔ تو پھر علامہ سیوطی کی در منثور میں اختیار کردہ روایت" کیسے مرجوح ہوئی؟ کیا ایسا نہیں کہ ہر مصنف یہ التزام کرتا ہے کہ اپنی کتاب میں وہی بات تحریر کرے گا جو اس کی تحقیق میں صحیح ہو۔ اسی لئے علما نے تصریح کی ہے کہ کسی کتاب میں کوئی بات مذکور ہونا اس کی دلیل ہے کہ وہ بات

مصنف کے نزدیک مختار و صحیح ہے

اگر یہ صحیح ہے؟ تو جلالین میں علامہ سیوطی نے چاند و سورج کے آسمان میں ہونے کو ذکر فرمایا ہے یا نہیں؟ اگر ذکر فرمایا ہے تو نشاندہی فرمائیں اور اگر جلالین میں ذکر نہیں کیا ہے۔ اور در منثور میں ذکر کیا ہے تو کیا یہ ثابت نہیں ہوا کہ علامہ سیوطی کے نزدیک راجح اور مختار جمہور ہی کا قول ہے اور اگر یہ فرمائیں کہ نہیں علامہ سیوطی نے جان بوجھ کر جمہور کے قول مرجوح کو در منثور میں ذکر فرمایا ہے۔ تو حضور وضاحت فرمائیں کہ حضور والا کی اس تحقیق کی روشنی میں علامہ سیوطی کی تصنیفات کا اعتماد ختم ہو گیا یا نہیں۔ اور حضور نے بھی انھیں حاطب لیل تسلیم فرمالیا یا نہیں؟ پھر اتنا اور بتائیں کہ جو مصنف جان بوجھ کر اپنی کتاب میں مرجوح بلکہ غلط قول درج کرے اسکی ترجیح کا شرعی طور پر کیا درجہ ہے؟

حضور والا نے جب یہ تصریح کر دی کہ ______ اس سے واضح ہو گیا کہ امام سیوطی علیہ الرحمہ کے نزدیک یہی راجح ہے تو تفسیر سراج منیر وغیرہ کا مختار قول کیسے ناقابل اعتبار ہو گیا۔ اگر بالفرض ثابت ہوتا ہے تو یہ کہ علامہ سیوطی کے نزدیک مرجوح ہے۔ ان کے نزدیک مرجوح ہونے سے ان تفسیر ناقابل اعتبار ہونا لازم نہیں آیا۔ جب یہ لازم نہیں تو ان کے نزدیک راجح ہونے کو دوسری تفسیر کے مختار اقوال کے ناقابل اعتبار ہونے کی دلیل ٹھہرانا کیسے درست ہے؟ واضح فرمائیں سرکار یہ بھی ارشاد فرمائیں۔ کہ حضور کی تحقیق میں علامہ سیوطی علیہ الرحمہ کی ترجیح اتنی وقیع ہے کہ اس کے مقابل دوسرے حضرات کے نزدیک مختار ہونے کی کوئی اہمیت نہیں۔ محض علامہ سیوطی کا ذکر کر دینا اس کے مقابل تمام اقوال کو ناقابل اعتبار بنا دیتا ہے۔ تو فرمائیں کہ جلالین میں یا ان کی کسی تفسیر میں ابن عباس کا یہ قول مذکور نہیں۔ اور در منثور میں جمہور کا مختار قول مذکور ہے۔ اور نفس ذکر اس کی دلیل ہے کہ مصنف کے نزدیک یہی صحیح ہے یہی مختار ہے تو ثابت ہوا کہ علامہ سیوطی کے نزدیک مختار اور صحیح قول جمہور ہے۔ اور حضور

کی تحقیق کے بموجب ان کا اختیار کرنا مقابل کا فی نفسہٖ ناقابل اعتبار ہونا ہے تو لازم ہوگا نہیں کہ یہ کہنا کہ چاند و سورج وغیرہ آسمان میں ہیں۔ فی نفسہٖ ناقابل اعتبار ہے۔

اور اگر چاند و سورج وغیرہ کا آسمان میں ہونا جلالین کے اس حصہ میں جو علامہ سیوطی کی تصنیف ہے یا ان کی کسی تصنیف میں مذکور ہے بھی تو اس سے درمنثور کی مرجوحیت اس وقت ثابت ہوگی جب کہ یہ ثابت ہو جائے کہ یہ بعد کی تصنیف ہے اور درمنثور پہلے کی۔ اور اگر اس کے برعکس ہو یعنی پہلے کی ہے اور درمنثور بعد کی۔ تو درمنثور میں جمہور مفسرین کے قول کو اختیار کرنا اس کے راجح ہونے اور اس کے مقابل قول کے مرجوح ہونے کی یقیناً دلیل ہوگا۔ اب حضور بتائیں کہ جلالین اور درمنثور میں سے کون پہلے کی تصنیف ہے اور کون بعد کی؟

ارشاد نمبر ۸

اگر آپ کا ذہن امام سیوطی علیہ الرحمہ کی مذکورہ بالا ترجیح کو قبول کرنے نہ پا رہا ورنہ اس کو ان سُنی کر دیجئے ہم آپ کے اطمینان کامل کے لئے یہ تصریح دکھلائے دیتے ہیں کہ "جمہور مفسرین کا یہ قول صحیح نہیں ہے" دیکھئے علامہ قاضی ثناء اللہ پانی پتی قدس سرہ القوی نے تفسیر مظہری جلد ششم ص۲۵۸ میں انھیں جمہور مفسرین کا قول اسی آیت کے تحت بایں الفاظ نقل فرماتے ہیں وقال الآخرون الفلك موج مكفوف دون السماء تجري فيه الشمس والقمر والنجوم اسکے متصلاً بلا فصل فرماتے ہیں قلت والصحيح ان المراد بالفلك السماء یعنی صحیح یہ ہے کہ زیر بحث میں فلک سے مراد سماء ہے یہی وہ چیز ہے جس کے پیش نظر فقیر نے کہا تھا کہ جانے استاد فالی ا۔

عرض

حضور، صحیح المسلک کی سطر سطر دیکھ ڈالی مجھے علامہ سیوطی کا ایک ارشاد بھی ایسا نہیں ملا جس سے صراحۃً تو کیا اشارۃً یا اقتضاءً بھی اسی قول کی ترجیح ہوتی ہو کہ فلک سے مراد آسمان ہے حضور نے جو عبارت نقل فرمائی ہے۔ وہ علامہ سیوطی کی نہیں علامہ محلی کی ہے۔ علامہ محلی کی عبارت

کو علامہ سیوطی کا ارشاد بار بار بتا کر اپنی بلند و بالا مسند سے عوام کو کتنی بڑی غلط فہمی میں مبتلا فرما رہے ہیں اس پر جو حیرت ہے وہ ہے ہی اس سے بڑھ کر حیرت یہ ہے یہاں حضور والا ایسے شخص کو جو علامہ سیوطی قدس سرہ کی ترجیح کو قبول نہ کرے پانی پتی قاضی جی کی تصحیح پر اطمینان کا درس دے رہے ہیں کیا اس کا صاف مطلب یہ نہیں ہوا کہ حضور والا کے نزدیک خاتم الحفاظ حضرت علامہ سیوطی قدس سرہ پر پانی پتی قاضی جی کو فوقیت ہے۔ افسوس صد افسوس ہے کہ سرکار والا جاہ حضرت صدر الشریعہ قدس سرہٗ کی گود کے پروردہ اور سرکار مفتی اعظم ہند دامت برکاتہم القدسیہ کے ریزہ خوار اور اپنے کفش بردار سے یہ توقع رکھتے ہیں کہ وہ حضرت علامہ سیوطی قدس سرہ کی ترجیح قبول نہ کرے اسے ان سنی کر دے جنھیں اعلیٰ حضرت قدس سرہٗ خاتم الحفاظ فرمائیں۔ اور پانی پتی قاضی جی کی تصحیح پر اطمینان کرے، حضور والا کو کم از کم اپنے اس کفش بردار کے بارے میں یہ غلط فہمی نہیں ہونی چاہیے تھی۔

مگر جب حضور والا کے نزدیک "صحیح المسلک" لکھنے کے وقت یہ قاضی جی اتنے عظیم و جلیل ہو گئے کہ خاتم الحفاظ علامہ سیوطی سے بھی بڑھ گئے تو اب حضور والا ارشاد فرمائیں کہ انھوں نے مالا بدمنہ وغیرہ اپنی تصنیفات میں اہل سنت و جماعت کے متفقہ عقائد و معمولات کے خلاف جو کچھ لکھا ہے اس کے بارے میں کیا ارشاد ہے۔ مثلاً مالا بدمنہ ص۸ پر نصاریٰ کے وجہ کفر میں لکھتے ہیں۔

وعلم غیب بانہا مسلم داشتند کافر شدند	اور علم غیب احضرت عیسیٰ کو ثابت مانا کافر ہو گئے۔

ص۷۶ پر ہے۔

سجدہ کردن بسوئے قبور انبیا و اولیا و طواف گرد قبور کردن و دعا خواستن و نذر برائے آنہا قبول کردن حرام است	انبیا و اولیا کی قبروں کی طرف سجدہ کرنا، اور ان کے گرد طواف کرنا اور دعا مانگنا اور ان کے لئے نذر قبول کرنا حرام ہے۔

بلکہ چیزہا از آں مکفری رسانند پیغمبر صلی اللہ علیہ وسلم بر آنہا لعنت گفتہ و از آں منع فرمودہ و گفت کہ قبر مرا بت نہ کنند۔

بلکہ ان میں سے کچھ چیزیں کفر تک پہنچا دیتی ہیں پیغمبر صلی اللہ علیہ وسلم نے ان پر لعنت کیا ہے اور اس سے منع فرمایا ارشاد فرمایا کہ میری قبر کو بت نہ بنانا۔

وصیت نامے میں ہے۔

بعد تکبیر اولیٰ سورہ فاتحہ ہم خوانند و بعد مردن من رسوم دنیوی مثل دہم بستم و چہلم و ششماہی و برسی ہیچ نہ کنند کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم زیادہ از سہ روز ماتم کردن جائز نداشتہ اند حرام ساختہ اند۔

میری نماز جنازہ میں تکبیر اولیٰ کے بعد سورۂ فاتحہ بھی پڑھے اور میرے مرنے کے بعد دنیوی رسم جیسے دسواں بیسواں چالیسواں ششماہی برسی کچھ نہ کریں کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے تین دن سے زیادہ ماتم کرنے کو جائز نہیں رکھا اور حرام کیا ہے۔

مالابد منہ تو بہت مشہور کتاب ہے حضور والا نے ضرور اس کا مطالعہ کیا ہوگا حضور والا سے یہ عبارتیں پوشیدہ نہ ہوں گی اور حضور والا کو یہ بھی سوچنا چاہیے تھا کہ میرا نیاز مند اتنا بڑا جاہل تو نہیں کہ مالابد منہ بھی نہ پڑھی ہوگی یا نہ پڑھ سکے گا پھر اسکے مصنف کی تصحیح کو اتنی ڈانٹ ڈپٹ کے ساتھ اس نیاز مند کو دکھانے کا مطلب سوائے اس کے اور کیا ہو سکتا ہے کہ عوام کو دکھایا جائے کہ میرے پاس کتنے مضبوط دلائل موجود ہیں۔ حضور والا اپنے اس مقصد میں ضرور کامیاب ہوگئے۔ مگر یہ خیال نہ رہا کہ اگر کوئی وہابی مالابد منہ کی مذکورہ عبارتوں کو نقل کرکے اور حضور والا ہی کے تیور میں خود حضور والا ہی کے مقابلہ میں پیش کردے تو حضور والا کے پاس حضور والا کے ان قاضی قدس سرہ القوی کے ان خرافات کا کیا جواب ہوگا۔ افادہ فرمائیں۔

خادم کا دعویٰ تھا تو یہ تھا کہ مفسرین کے ان مختلف اقوال میں کسی ایک کی ترجیح کے لئے دلیل منقول نہیں۔ یہ دعویٰ نہیں تھا کہ کسی تفسیر کے مصنف وہ بھی

یعنوں قاضی پانی پتی صاحب قسم کہ مصنف نے اپنی تفسیر میں ان میں سے کسی قول کی تصحیح نہیں کی ہے۔ پھر ان کی تصحیح ذکر کرنے سے فائدہ؟ حضور والا دلیل منقول صرف چار ہیں۔ کتاب اللہ، سنت رسول اللہ، اجماع امت، قیاس مجتہد۔ حضور والا ارشاد فرمائیں۔ آپ کے قاضی قدس سرہ القوی کا قول ان میں سے کس میں داخل ہے۔

ارشاد نمبر ۹

قاضی ثناء اللہ صاحب پانی پتی قدس سرہ القوی کی اس تصریح کے بعد منصف مزاج انسان کو بجز آمنا صدقنا کہنے کے کوئی چارہ نہیں لیکن ہٹ دھرم کے دماغ میں یہ وسوسہ پیدا ہو سکتا ہے کہ وہ قاضی صاحب موصوف کی تصحیح کو کافی نہ سمجھتے ہوئے اس پر دلیل طلب کر بیٹھے۔ ص۱

عرض

سابقہ عرض میں میری گزارشات کو سامنے رکھنے والا جب اس عبارت کو پڑھے گا تو وہ یقین کرے گا کہ حضور والا کے ضمیر کی آواز قاضی صاحب موصوف کے بارے میں کیا ہے؟ اور یہ بھی یقین کرے گا کہ قاضی صاحب موصوف کا کسی روایت کو صحیح کہہ دینا دلیل کا محتاج ہے۔ ان کا کہنا دلیل نہیں۔ ورنہ یہ ارشاد بے معنی ہو کر رہ جائے گا ــــ وہ قاضی صاحب موصوف کی تصریح کو کافی نہ سمجھتے ہوئے اس پر دلیل طلب کر بیٹھے۔ اب جب کہ قاضی صاحب موصوف کے بارے میں سرکار کی ضمیر کی آواز میرے ہم آہنگ ہو گئی تو افادہ فرمائیں کہ پھر سرکار کا میرے اس دعویٰ کے مقابلہ میں کہ مفسرین کے ان مختلف اقوال کی ترجیح کے لئے کوئی دلیل منقول نہیں۔ قاضی صاحب موصوف کی تصحیح کو ذکر فرمانے کا مقصد کیا ہے؟

ارشاد نمبر ۱۰

نظر براں ہم یہاں اس کا علاج بیان کرتے چلیں تاکہ اسر دست قدرے تسکین ہو جائے دوسرا علاج آئندہ آرہا ہے سنئے اور بگوش ہوش سنئے۔ اس آیت کریمہ میں ذلک اکی تفسیر

موج مکفوف (زیر سماء) کے ساتھ حسان بن عطیہ اور ابن زید کی تفسیر ہے جو تابعی ہیں اور انھیں کی تفسیر کو جمہور مفسرین نے اختیار کیا ہے۔ اور فلک کی تفسیر (سماء) کے ساتھ سید المفسرین حضرت عبد اللہ بن عباس رضی اللہ تعالیٰ عنہما کی تفسیر ہے جو صحابی ہیں اور غالباً آپ کے علم میں نہیں کہ صحابی کی تفسیر کا کیا حکم ہے۔ ہم سے سنئے اور یاد رکھئے گا۔ صحابی کی تفسیر کا حکم یہ ہے کہ مرفوع کے حکم میں ہوتی ہے یعنی یہ قرار دیا جاتا ہے کہ صحابی کی تفسیر نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم سے شنیدہ اور حضور کا ارشاد گرامی ہے۔ ص ۱۱

عرض حضور والا نے جو افادہ فرمایا ہے یہ مجھے پہلے بھی معلوم تھا اور خوب معلوم تھا۔ میں نے جو کچھ لکھا ہے اس کو ذہن میں ملحوظ رکھ کر لکھا ہے۔ اور اب میں اسی قانون پر اس مختلف فیہ مسئلہ کا فیصلہ رکھتا ہوں اور سرکار ہی کو حکم بناتا ہوں۔ میری معروضات گوش گزار فرمائیں فتح الباری شرح بخاری میں حضرت سلمان فارسی رضی اللہ عنہ کا یہ ارشاد منقول ہے۔

النجوم معلقة بالقناديل من السماء الدنيا كتعليق القناديل فی المسجد (ص ۶۸۶)

ستارے اس طرح قندیلوں میں پہلے آسمان سے لٹکے ہوئے ہیں جیسے مسجدوں میں قندیلیں ہوتی ہیں۔

اور ملاحظہ فرمائیں التفسیر المنیر لمعالم التنزیل جلد ۲ صفحہ ۴۲۹ میں خود حضرت ابن عباس رضی اللہ عنہما سے یہ مروی ہے۔

عن ابن عباس رضی الله عنهما. ان النجوم قناديل معلقة بين السماء والارض بسلاسل من نور بايدی ملٰئكة من نور فاذا مات من فی السمٰوٰت ومن فی الارض تساقطت من ايديهم۔

ابن عباس رضی اللہ عنہما سے مروی ہے کہ ستارے آسمان و زمین کے مابین نورانی زنجیروں کے ساتھ نوری فرشتوں کے ہاتھوں میں لٹکے ہوئے ہیں جب زمین و آسمان والے سب مر جائیں گے تو ان کے ہاتھوں سے گر پڑیں گے۔

اسی کے مثل تفسیر السراج المنیر جلد ۴ صفحہ ۴۹۰ اور تفسیر ابوالسعود جلد ۸ صفحہ ۴۰۹ میں بھی ہے
حضور والا ملاحظہ فرمائیں کہ یہ حضرت سلمان فارسی اور خود ابن عباس رضی اللہ
تعالیٰ عنہم کا قول ہے جو خود حضور والا کی تحقیق کے بموجب مرفوع کے حکم میں ہے اور
حضور سید عالم صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم کا ارشاد ہے۔ لہٰذا خود حضور والا کی تحقیقِ انیق
سے ثابت ہوگیا کہ ستاروں کا آسمانوں کے نیچے ہونا فرمانِ نبوی سے ثابت ہے
اب "تصحیح المسلک" کے صفحہ ۴۶ پر اس فرمان نبوی کا جس انداز سے حضور نے تمسخر فرمایا
ہے۔ اسے اب پھر ملاحظہ فرما کر ارشاد فرمائیں کہ تصحیح المسلک کے صفحہ ۱۱ کی یہ تحقیق
قابل قبول ہے یا صفحہ ۴۶ کی۔

یہ فیصلہ تو حضور والا کرتے ہی رہیں گے۔ یہاں یہ گزارش ہے کہ ایک نہیں
دو دو صحابہ صرف حضرت ابن عباس ہی نہیں حضرت سلمان فارسی رضی اللہ تعالیٰ
عنہم کے ارشادات سے جو حکم میں مرفوع کے ہیں قول رسول ہیں۔ یہ ثابت ہوگیا کہ
ستارے بہرحال آسمان کے نیچے ہیں اور جب ستاروں کا آسمان کے نیچے ہونا خود
حضرت ابن عباس رضی اللہ تعالیٰ عنہما کے قول سے ثابت ہوگیا تو چاند و سورج
کا آسمان کے نیچے ہونا بدرجۂ اولیٰ ثابت ہوگیا۔ اس لئے کہ امام اہلسنت اعلیٰ
حضرت قدس سرہٗ نے الملفوظ حصہ چہارم صفحہ ۹ پر یہ تصریح فرمائی ہے کہ۔

سب سے قریب تر ثابتہ جو مانا گیا ہے وہ نو ارب انتیس کروڑ میل ہے اور
اسی ملفوظ کے اسی حصے کے صفحہ ۶۲ پر ہے کہ سورج کا فاصلہ زمین سے نو کروڑ تیس
لاکھ میل ہے۔ اعلیٰ حضرت قدس سرہٗ کے ان دونوں ارشادات سے ثابت
ہوگیا کہ سورج ستاروں سے بہت نیچے ہے اور جب ستارے آسمان کے
نیچے تو سورج بدرجۂ اولیٰ آسمان کے نیچے ہے۔ رہ گیا چاند تو خود حضور والا نے
صحیح النظر میں چاند کا پہلے آسمان میں ہونا سب علمائے شریعت کے نزدیک متفق
علیہ قرار دیا ہے اور سورج کے بارے میں یہ تفصیل درج فرمائی کہ بعض نے فرمایا
کہ چوتھے آسمان میں ہے اور بعض نے فرمایا کہ پانچویں میں اور بعض نے فرمایا

یہ سردی میں چوتھے آسمان میں اور گرمی میں ساتویں آسمان میں۔ بہر تقدیر چوتھے کے نیچے نہیں تو جب کہ چاند پہلے آسمان میں ہے اور سورج چوتھے کے نیچے نہیں تو لازم کہ چاند سورج کی بات نیچے ہے ثابت ہو گیا کہ ستارے آسمان کے نیچے ہیں تو چاند و سورج بدرجۂ اولیٰ آسمان کے نیچے ہیں۔ ارشاد فرمائیں۔ صراحۃً نہ سہی اقتضاءً ہی ارشادات صحابہ بلکہ ارشاد نبوی اور ارشادات علماء سے ثابت ہو گیا یا نہیں کہ چاند و سورج اور ستارے آسمانوں کے نیچے ہیں۔ اور اگر اعلیٰ حضرت قدس سرہٗ کے ارشاد کے درمیان میں آنے کی وجہ سے حضور والا کو کچھ خلجان ہو تو لیجئے حضرت ابن عباس اور انھیں کے مماثل حضرت ابن عمر رضی اللہ تعالیٰ عنہم کا یہ ارشاد ملاحظہ فرمائیں تفسیر مدارک میں سورۂ نوح کی تفسیر میں ہے

وعن ابن عباس وعن ابن عمر رضی اللہ عنھم ان الشمس والقمر وجوھھما الی السموٰت وظھورھما الی الارض	ابن عباس اور ابن عمر رضی اللہ عنہم سے مروی ہے کہ سورج اور چاند کے منہ آسمانوں کی طرف ہیں اور ان کی پیٹھ زمین کی طرف۔

اور خازن میں ہے

قال عبداللہ بن عمرو رضی اللہ عنھما ان الشمس والقمر وجوھھما الی السموٰت وضوء القمر فیھن جمیعا واقفیتھما الی الارض ویروی عن ابن عباس ایضا۔	عبداللہ بن عمرو رضی اللہ عنہما نے فرمایا کہ سورج اور چاند کے چہرے آسمانوں کی طرف ہیں اور چاند کی روشنی سب میں ہے اور ان کی پیٹھ زمین کی طرف اور ابن عباس سے بھی یہی مروی ہے۔

(ج ۱ ص ۳۳۱)

اس کا امکان ہے کہ حضور والا "مما یلی السموٰت" کے ترجمے پر اب کوئی باریک نکتہ نکالیں اور فرما دیں کہ اس کا ترجمہ "طرف" غلط ہے۔ تو میں یاد دلا دوں کہ "کشف النظر" میں سرکار نے بھی مما یلی کا ترجمہ طرف ہی فرمایا ہے ملاحظہ ہو ص۔ البتہ سرکار نے ترجمے میں یہ اضافہ فرمایا ہے "اوپر کے آسمانوں کی طرف" اور حوالہ کشاف جلد ۳ ص ۲۱۹ کا لکھا ہے میں نے کشاف کا ورق ورق چھان ڈالا مگر کہیں یہ روایت نہیں ملی۔ ملی تو یہ

ان الشمس والقمر وجوھھما مما یلی السمٰوٰت وظھورھما مما یلی الارض (ج ۲ ص ۱۶۳) — سورج اور چاند کے چہرے آسمان کی طرف ہیں اور ان کی پیٹھ زمین کی طرف ہے۔

سرکار والا نے اوپر کا اضافہ فرمایا ہے یہ کس لفظ کا ترجمہ ہے اسکی نشاندہی فرمادیں تو کرم بالائے کرم ہوگا حضرت صدر الافاضل قدس سرہٗ نے خزائن العرفان میں اس حدیث کو اپنے ان الفاظ کریمہ میں نقل فرمایا ہے۔

حضرت ابن عباس اور ابن عمر رضی اللہ تعالیٰ عنہم سے مروی ہے کہ آفتاب وماہتاب کے چہرے آسمانوں کی طرف ہیں اور ہر ایک کی پشت زمین کی طرف۔

خازن، مدارک، کشاف، خزائن العرفان سب کی روایتیں اس پر متفق ہیں کہ کسی میں اوپر کے آسمانوں کا لفظ نہیں۔ صرف یہ ہے کہ ان کے چہرے آسمانوں کی طرف ہیں۔ اور "اوپر" کا لفظ سرکار نے اضافہ فرمایا ہے۔

حضور والا خود غور فرمائیں۔ حضرت ابن عباس اور حضرت ابن عمر رضی اللہ تعالیٰ عنہم کا یہ ارشاد کہ چاند و سورج کے چہرے آسمانوں کی طرف ہیں اس پر نہایت واضح دلیل ہے کہ وہ آسمانوں میں نہیں بلکہ آسمانوں کے نیچے ہیں جبھی تو یہ فرمانا درست ہوا کہ ان کے چہرے آسمانوں کی طرف ہیں۔ جیسے اس ارشاد کا کہ ان کی پیٹھ زمین کی طرف ہے یہ مطلب ہے کہ وہ زمین میں نہیں بلکہ زمین سے اوپر ہیں بالکل اسی طرح اس ارشاد کا کہ "ان کے چہرے آسمانوں کی طرف ہیں" یہ مطلب متعین ہوگیا کہ چاند و سورج آسمان کے نیچے ہیں آسمان میں نہیں۔ اور اگر ان حضرات کا مسلک یہ ہوتا کہ چاند و سورج آسمانوں میں ہیں۔ تو یوں فرماتے کہ ان کے چہرے اوپر کے آسمانوں کی طرف ہیں اور ان کی پیٹھ نیچے کے آسمانوں کی طرف۔ "مما یلی السمٰوٰت" کا تقابل "مما یلی الارض" سے اس پر دلیل ہے کہ چاند و سورج جس طرح زمین کے اندر نہیں اسی طرح آسمانوں کے اندر بھی نہیں۔

مزید توضیح کے لئے مثال عرض ہے۔ سرکار میرٹھ میں تشریف رکھتے

ہیں۔ اور جب درسگاہ میں تشریف رکھتے ہیں تو حضور کا چہرہ جانب شمال ہوتا ہے اور پشت جانب جنوب ایسی صورت میں یہ کہنا غلط ہے کہ حضور والا درسگاہ میں تشریف رکھتے ہیں تو حضور والا کا چہرہ میرٹھ کی طرف ہوتا ہے اور پیٹھ کسی اور طرف بلکہ اسکی تعبیر یہی متعین کہ حضور والا کا چہرہ جانب شمال ہوتا ہے اور پشت جانب جنوب اسی طرح اگر ان حضرات کے نزدیک چاند و سورج آسمان میں ہوتے تو اس کی تعبیر کہ ان کے چہرے آسمانوں کی طرف ہیں اور پیٹھ زمین کی طرف غلط ہوتی صحیح تعبیر یہ ہوتی کہ ان کے چہرے اوپر کے آسمانوں کی طرف ہیں اور پیٹھ نیچے کے آسمانوں کی طرف اس لئے کہ ہر ادنیٰ سی عقل رکھنے والا جانتا ہے کہ ظرف شئی ظرف شئی نہیں ہو سکتا۔ محال ہے۔

اب حضور والا فیصلہ فرمائیں کہ حضرت ابن عباس وابن عمر رضی اللہ تعالیٰ عنہم کے ارشاد سے ثابت ہو گیا کہ نہیں کہ چاند و سورج آسمانوں کے نیچے ہیں اور حضور کی تحقیق یہ ہے کہ ان کا تفسیر میں ہر ارشاد قول رسول تو قول رسول سے ثابت ہو گیا کہ چاند و سورج آسمانوں میں نہیں آسمانوں کے نیچے ہیں۔ اب حضور والا کی جناب سے مجھے اجازت ہے یا نہیں کہ میں سرکار ہی کے الفاظ مبارکہ میں یوں عرض کروں۔

نظر برآں ثابت ہو گیا چاند و سورج اور ستاروں کا آسمان کے نیچے ہونا بمدلول شمس رسالت صلی اللہ علیہ وسلم کا ارشاد فرمودہ ہے اور ان کے آسمان میں ہونے کا قول خواہ علامہ محلی کا ہو یا قاضی ثناء اللہ پانی پتی قدس سرہ القوی کا چونکہ ارشاد نبوی کے من کل الوجوہ منافی ہے اس لئے صحیح نہیں ہو سکتا۔ اس واسطے خادم نے جمہور کے قول کو راجح قرار دیا۔ المسلک ص ۱۱ بادنیٰ تغیر"

ارشاد نمبر ۱۱ اور اگر بالفرض تابعین کی تفسیر مذکور صحابہ کرام سے ماخوذ تسلیم کر لی جائے تو اتنا ہی تو ہو گا کہ صحابہ کی تفسیر میں تعارض ہے اور جب صحابہ کرام کی تفاسیر میں تعارض ہو تو شاید آپ کے علم میں نہیں کہ ایسی

صورت میں کیا حکم ہے۔ ہم سے سنئے یہی امام سیوطی علیہ الرحمہ اپنی اتقان کی اسی جلد ص۱۸۳ میں تحریر فرماتے ہیں۔

والثانی ینظر فی تفسیر الصحابی فان فسرہ من حیث اللغۃ فھم اھل اللسان فلا شک فی اعتمادہ او بما شاھدہ من الاسباب والقرائن فلا شک فیہ وحینئذ ان تعارضت اقوال جماعۃ من الصحابۃ فان امکن الجمع فذاک وان تعذر قدم ابن عباس لان النبی صلی اللہ علیہ وسلم بشرہ بذلک حیث قال اللھم علمہ التاویل

یعنی جو تفسیر صحابہ سے منقول ہے اس میں یہ دیکھا جائے گا کہ انہوں نے تفسیر باعتبار لغت فرمائی ہے اگر ایسا ہے تو بے شک اس پر اعتماد کیا جائے گا۔ یا ان کی تفسیر بعد مشاہدۂ اسباب و قرائن ہے تو اس پر بھی بلا شک اعتماد کیا جائے گا اور اس کے باوجود بھی اقوال صحابہ متعارض ہوں تو اگر کسی طرح ان میں تطبیق ممکن ہو تو تطبیق دی جائیگی اور اگر تطبیق دشوار ہو تو قول ابن عباس سب پر مقدم اور مختار ہوگا اسلئے کہ نبی صلی اللہ علیہ وسلم ان کو بشارت دے چکے ہیں کہ آپ نے ان کے حق میں یہ دعا کی تھی کہ اے اللہ ان کو کتاب کا ٹھیک پہلو سکھا دے۔

دیکھا آپ نے سید المفسرین حضرت عبد اللہ بن عباس رضی اللہ تعالیٰ عنہما کا درجہ کتنا بلند ہے کہ قرآن کریم کی تفسیر میں جملہ صحابہ کرام پر مقدم ہیں چہ جائیکہ تابعین حضرات ص۱۳۔

عرض اب جبکہ حضور والا نے یہ تسلیم فرمالیا کہ حضرت ابن عباس رضی اللہ عنہما کی تفسیر مطلقاً ہر صحابی و ہر تابعی کی تفسیر پر مقدم ہے۔ تو عرض ہے۔

سند الحفاظ علامہ ابن حجر عسقلانی نے فتح الباری میں علامہ بدر الدین عینی نے عمدۃ القاری میں آیہ کریمہ زیر بحث کی تفسیر خود سید المفسرین حضرت ابن عباس رضی اللہ تعالیٰ عنہما سے یہ نقل فرمائی۔

عن ابن عباس یسبحون ای یدورون حولہ (عینی ج ۹ ص ۴۴)

ابن عباس رضی اللہ عنہما سے یسبحون کی تفسیر یہ مروی ہے کہ چاند و سورج اور ستارے آسمان کے گرد گھومتے ہیں۔

سید المفسرین رضی اللہ تعالیٰ عنہما کا یہ ارشاد اس بات پر نص ہے کہ چاند و سورج اور ستارے آسمان میں نہیں آسمان کے گرد گھومتے ہیں۔ اس کا دو مفہوم ہے ایک یہ کہ آسمان کے اوپر ہوں دوسرے یہ کہ آسمان کے نیچے۔ اوپر مراد لینے میں یہ جمہور مفسرین کے قول سے متعارض ہونے کے ساتھ ساتھ خود ان کے ان دونوں ارشادات کے بھی معارض ہے جو ابھی سابقہ عرض میں پیش کر چکا ہوں اس لئے دفع تعارض اور حصول تطابق کے لئے اس ارشاد میں بھی یہ بات متعین ہو گئی کہ آسمان کے گرد گھومنے سے مراد یہی ہے کہ آسمان کے نیچے گھومتے ہیں کیا اب بھی حضور والا اپنے ان دونوں مذکورہ بالا قواعد کی روشنی میں مجھے اجازت نہیں دیتے کہ میں عرض کروں کہ "چاند و سورج اور ستارے آسمان میں نہیں" آسمان کے نیچے ہیں۔ اور یہ قول کہ وہ آسمانوں میں ہیں خواہ وہ علامہ محلی کا ہو یا قاضی صاحب قدس سرہ القوی کا حتیٰ کہ بالفرض وہ تابعین عظام کا ہو بلکہ صحابہ کرام کا ہو مرجوح ہے۔ اس لئے کہ وہ حضرت ابن عباس رضی اللہ عنہما کے قول کے معارض ہے۔ اور حضور والا افادہ فرما چکے کہ حضرت ابن عباس کا قول تعارض کے وقت بھی تابعین تو تابعین، تمام صحابہ کرام کے اقوال پر مقدم ہوتا ہے۔ اور یہاں تو حضرت ابن عباس رضی اللہ تعالیٰ عنہما کے قول کے معارض کسی صحابی کا قول ہے بھی نہیں بلکہ حضرت عبد اللہ بن عمر اور حضرت سلمان فارسی رضی اللہ تعالیٰ عنہما کے اقوال اس کے مؤید بلکہ اس کے موافق ہیں تو اب حضرت ابن عباس رضی اللہ تعالیٰ عنہما کے اس قول کے بارے میں کہ چاند و سورج اور ستارے آسمان کے نیچے ہیں یہ کہنا بلا شبہ

درست ہوگا کہ صحابہ کرام کا اس پر اتفاق ہے اسی کا دوسرا نام اجماع ہے لہذا سرکار کا یہ نیاز مندیہ کہنے میں حق بجانب ہے کہ صحابہ کرام کا اس پر اجماع ہے کہ چاند و سورج اور ستارے آسمان کے نیچے ہیں آسمان میں نہیں فالحمد لہ علی افاضۃ البرھان یہاں یہ ظاہر اعتراض وارد ہوتا ہے کہ میں نے چاند کے سفر میں بتایا کہ حضرت ابن عباس رضی اللہ عنہما کا یہ مذہب ہے کہ چاند و سورج آسمان میں ہیں میرے اس بتانے کی علت یہ تھی کہ آیہ کریمہ کُلٌّ فِیْ فَلَکٍ یَّسْبَحُوْنَ میں فلک سے حضرت ابن عباس رضی اللہ تعالیٰ عنہما نے آسمان مراد لیا ہے اس سے بظاہر یہی متبادر ہوتا تھا کہ ان کا مذہب یہ ہے کہ چاند و سورج آسمانوں میں ہیں۔ اس وقت عینی یا فتح الباری کے اس مقام کے مطالعہ سے مشرف ہو سکا تھا۔ یہ کتابیں میرے پاس نہیں۔ اس لئے میں نے "چاند کے سفر" میں یہ لکھا تھا کہ ان کا مذہب یہ ہے۔ اگرچہ اس وقت بھی یہ خلجان تھا۔ کہ جب خود حضرت ابن عباس یہ فرماتے ہیں کہ ستارے آسمان و زمین کے مابین معلق ہیں اور خود فرماتے ہیں کہ ان کے چہرے آسمانوں کی طرف ہیں اور اس آیۃ کریمہ میں فلک سے مراد آسمان لیتے ہیں تو ان کے اقوال میں تعارض ہے۔ میں چاہتا تو اس وقت بھی "آیۃ کریمہ" میں وارد لفظ "فی" میں تاویل کر کے اسی وقت تعارض دور کرنے کی سبیل پیدا کر سکتا تھا۔ مگر میں نے بنظر احتیاط ایسا نہیں کیا۔ اور ان کا مذہب یہی مانا کہ چاند و سورج آسمانوں میں ہیں۔

مگر اب جب کہ خود ان کا ارشاد صریح مل گیا تو اب میں بلا جھجک یہ کہہ سکتا ہوں کہ سید المفسرین حضرت ابن عباس رضی اللہ تعالیٰ عنہما کا مسلک یہ نہیں کہ چاند و سورج آسمانوں میں ہیں بلکہ ان کا مذہب مختار یہ ہے کہ چاند و سورج ستاروں کی طرح آسمان کے نیچے ہیں۔ آسمان کے گرد گھومتے ہیں اور اس نکتہ پر جمہور مفسرین کا ان سے کوئی اختلاف نہیں۔ اختلاف صرف تفسیر باللفظ میں ہے کہ آیۃ کریمہ میں لفظ "فلک" سے مراد آسمان ہے۔

یا موج مکفوف۔

اس کی تفصیل یہ ہے کہ فلک کے معنی زبان عرب میں "گول چیز" کے ہیں تفسیر کبیر میں ہے۔

الفلک فی کلام العرب کل شیٔ دائر (ج ۶ ص ۱۰۱)	فلک کلام عرب میں ہر گول چیز کو کہتے ہیں۔

قاموس میں ہے۔

الفلک مدار النجوم۔ ومن کل شیٔ مستدارہ وقطع من الارض تستدیر وترتفع عما حولها وکل مستدیر	فلک کے معنی یہ ہیں۔ستاروں کا مدار۔ ہر چیز کا گول حصہ۔ زمین کا وہ ٹکڑا جو گول ہو اور اس کے ارد گرد بلند ہو۔ ہر گول چیز۔

آسمان بھی گول ہے اور موج مکفوف بھی گول ہے۔ اس لئے آیت میں دونوں احتمال ہے کہ فلک کے معنی آسمان ہو یا ستاروں کا مدار موج مکفوف حضرت ابن عباس رضی اللہ تعالیٰ عنہما فرماتے ہیں کہ اس آیت میں فلک بمعنی آسمان ہے اور جمہور مفسرین فرماتے ہیں کہ موج مکفوف ہے۔ رہ گئی یہ بات کہ چاند و سورج اور ستارے کہاں ہیں ان کا مدار کیا ہے۔ اس پر دونوں میں کوئی اختلاف نہیں اس پر سب متفق ہیں کہ چاند اور سورج اور ستارے آسمان میں نہیں آسمان کے نیچے ہیں۔ ان کا مدار آسمان نہیں موج مکفوف ہے جو آسمان کے نیچے ہے۔ اور اس آیت میں وارد لفظ "فی" کے بارے میں ان کے اس ارشاد "ای یدورون حول" نے واضح کر دیا کہ یہاں فی بمعنی "حول" ہے اس لئے اب اس آیت کا مطلب حضرت ابن عباس رضی اللہ تعالیٰ عنہما کے نزدیک یہ ہوا۔

ہر ایک آسمان کے گرد گھوم رہے ہیں۔

یہ بھی ظاہر ہو گیا کہ اب حضرت ابن عباس رضی اللہ عنہما کے دونوں قول میں کوئی تعارض نہ رہا نیز وہ تعارض بھی ختم ہو گیا جو اس آیت میں فلک سے

آسمان مراد لینے کی وجہ سے بظاہر ان کے قول اور انھیں اور حضرت سلمان فارسی رضی اللہ تعالیٰ عنہما اور حضرت عطاء حضرت حسان بن عطیہ اور ابن زید رحمۃ اللہ تعالیٰ علیہم کے اس قول کے مابین پڑتا تھا کہ ستارے آسمان کے نیچے ہیں۔ یہ جز خادم علم پر واضح ہے کہ صحابہ کرام یا کسی کے کلام میں تعارض مان کر ایک کو صحیح ایک کو غلط قرار دینا، غلط ہے۔ جب کہ تطبیق کی صورت نکل سکتی ہو خود حضور والا نے ابھی اتقان کی عبارت نقل فرمائی ہے۔

فان تعارضت اقوال جماعة من الصحابة فان امکن الجمع فذالك

اگر صحابہ کے اقوال میں تعارض ہو تو اگر کسی طرح تطبیق ممکن ہو تو تطبیق دی جائے گی۔

لہٰذا اب حضور والا فیصلہ فرمائیں۔ اگر علامہ محلی قدس سرہ اور قاضی صاحب پانی پتی موصوف کا مختار مذہب لیا جائے تو خود ان کے اقوال میں تعارض لازم آتا ہے نیز ان کا یہ مذہب حضرت سلمان فارسی اور حضرت ابن عمر رضی اللہ تعالیٰ عنہم کے اقوال سے متعارض ہوتا ہے جس کا حل حضور والا کے پاس صرف یہ ہے کہ خود حضرت ابن عباس کے ایک قول کے مقابلہ میں دو قول کو غلط قرار دیا جائے حضرت سلمان فارسی اور ابن عمر رضی اللہ تعالیٰ عنہم کے اقوال غلط قرار دے دیئے جائیں لیکن جب خود سید المفسرین کے اس ارشاد "یدورون حولہ" کی روشنی میں حضرت ابن عباس رضی اللہ تعالیٰ عنہما کا مذہب یہ ثابت ہو گیا کہ چاند و سورج اور ستارے آسمانوں کے گرد آسمانوں کے نیچے گھومتے ہیں تو نہ سید المفسرین کے مختلف اقوال میں تعارض رہتا ہے نہ کسی صحابی کے قول سے کوئی تعارض رہتا ہے۔ اب ارشاد فرمائیں انصاف و دیانت کا تقاضا کیا ہے؟

حضور والا کے اس "ارشاد" میں جو اتقان کی عبارت منقول ہے۔ اس سے ثابت ہے کہ صحابی کی ہر تفسیر مرفوع کے حکم میں نہیں۔ بلکہ صحابی کبھی کبھی باعتبار لغت بھی الفاظ قرآن کی تفسیر کرتا ہے۔ جیسا کہ عبارت کے اس حصے سے ظاہر ہے۔

ینظر فی تفسیر الصحابی فان فسر

صحابی کی تفسیر میں دیکھا جائے گا اگر

من حیث اللغۃ فہم اھل اللسان فلا شك فی اعتمادہ ۔ | انھوں نے باعتبار لغت تفسیر کی ہے تو وہ اہل زبان ہے اس پر بلا شبہہ اعتماد کیا جائیگا۔

اس عبارت سے قطع نظر خود حضرت ابن عباس رضی اللہ تعالیٰ عنہما نے "طفق ان لن یحور" کی تفسیر کے بارے میں فرمایا ہے۔

ما عرفت تفسیرہ حتی سمعت اعرابیۃ تقول لبنتھا حوری ای ارجعی ۔ (مدارك) | میں نے اس کی تفسیر اس وقت تک نہیں جانی جبتک ایک بدویہ کو اپنی بیٹی سے یہ کہتے نہ سنا "حوری" یعنی لوٹ۔

اس لئے حضور والا نے اس سے پہلے والے ارشاد میں جو عبارت نقل فرمائی ہے کہ صحابی کی تفسیر مرفوع کے حکم میں ہے۔ یہ حکم کلی نہیں۔ بلکہ ان امور کے ساتھ خاص ہے جو "مالا یدرك الا بالسماع" ہیں یعنی جو شارع سے سنے بغیر معلوم نہ ہوسکیں۔ ایسے امور کے بارے میں صحابی کا قول مرفوع کے حکم میں ہوتا ہے یہ بات دین کے ہر ادنیٰ خادم پر واضح ہے۔

آیت زیر بحث میں حضرت ابن عباس رضی اللہ تعالیٰ عنہما سے دو تفسیریں مروی ہیں ایک یہ کہ اس آیت میں فلک بمعنی سما ہے۔ دوسری یہ کہ چاند سورج اور ستارے آسمان کے گرد گھومتے ہیں جو پہلی تفسیر باعتبار لغت ہے "مالا یدرك الا بالسماع" نہیں۔ اسلئے اسکے بارے میں یہ دعویٰ کہ یہ قول رسول ہے۔ ثابت نہیں۔ اور دوسری تفسیر چونکہ ایسی بات کے بارے میں ہے جو "مالا یدرك الا بالسماع" ہے۔ لہٰذا حضور والا ہی کے افادہ سے ثابت ہوگیا کہ سید المفسرین کا یہ ارشاد کہ چاند سورج اور ستارے آسمان کے گرد گھومتے ہیں۔ قول رسول ہے۔

نیز خود حضرت ابن عباس کا اور سلمان فارسی رضی اللہ تعالیٰ عنہم کا اور حضرت عطا تابعی کا یہ قول کہ ستارے زمین و آسمان کے مابین معلق ہیں "مالا یدرك الا بالسماع" ہے لہٰذا یہ بھی قول رسول ہوا۔

نیز خود حضرت ابن عباس کا اور حضرت ابن عمر رضی اللہ تعالیٰ عنہم کا یہ قول کہ چاند و سورج کے چہرے آسمانوں کی طرف ہیں۔ "مالا یدرک الا بالسماع" ہے لہٰذا ثابت ہو گیا یہ بھی قول رسول ہے ان تینوں اقوال کو جو بھی دیکھے گا اس پر بلا کسی ادنیٰ تردد کے واضح ہو جائے گا کہ چاند و سورج اور ستارے آسمانوں کے نیچے آسمان کے گرد گھومتے ہیں۔ یہ قول رسول ہے۔ اب سرکار فرمائیں۔ میری یہ پوری عرض حرف بحرف صحیح ہے یا نہیں؟

ارشاد نمبر ۱۲ تیسراب اس وجہ ترجیح کو سنئے جس کو سن کر جگر پاش پاش ہو جائے۔ یہ گمراہان یونان وغیرہ کے بیان کردہ دو مقدموں پر مبنی ہے مقدمہ اول۔ یہ حکما خواہ قدیم ہوں خواہ جدید اہل یونان ہوں خواہ اہل یورپ اس پر متفق ہیں کہ زمین سے سورج کا فاصلہ نو کروڑ تیس لاکھ میل ہے۔

عرض بحث کا تصفیہ تو اس سے پہلے والی عرض میں ہو چکا ہے۔ مگر چونکہ میری ذکر کردہ وجہ ترجیح کے رد میں حضور والا نے اپنے ترکش میں جتنے تیر تھے سب استعمال فرمائے ہیں۔ اس لئے صرف یہ دکھانے کے لئے کہ حضور والا نے اپنے سب تیر نیم کش ہی چلائے ہیں اور اچھا ہی کیا ورنہ یہ خلش کہاں سے ہوتی جو جگر کے پار ہوتے مجھے یہاں بھی استفسار کی حاجت پیش آئی۔ حضور والا نے اس ارشاد سے پہلے میرے اوپر جو عتاب ہیں عتاب آمیز کلمات طیبات استعمال فرمائے ہیں۔ باللہ العظیم اس سے مجھے کوئی تکلیف نہیں ہوئی۔ مگر عوام کو غلط فہمی میں مبتلا کرنے کے لئے حضور والا نے جو میری عبارت سے ایک اہم حصہ حذف فرما دیا ہے اس سے بے پناہ تکلیف ہوئی وہ حصہ یہ ہے۔

یہ فاصلہ ہمارے علماء کو بھی تسلیم ہے ص۵۹۔

استدلال کے اس اہم جز کو حذف کر کے حضور والا نے جو قیاس دلخراش اور قیاس دلنواز ترتیب دیئے ہیں۔ اگر کوئی اس کی تنقید کرنے کی نیت سے میری اصل کتاب سے مقابلہ کرتے وقت میرے اس جملے کو دیکھے گا تو وہ سرکار

والاجاہ کے بارے میں جو تاثر دے گا اسکے تصور سے یہ نیاز مند ضرور پسینہ پسینہ ہو رہا ہے اور ضرور اس کا جگر پاش پاش ہو رہا ہے۔

حضور والا اگر مجھے صرف حکمائے یونان و یورپ کے مسلمات کو استدلال کا مبنی بنانا ہوتا تو اتنے پاپڑ بیلنے کی ضرورت نہ تھی۔ میں نہایت صفائی کے ساتھ یہ کہدیتا کہ "ارسطو" نے یہ کہا "بطلیموس" نے یہ کہا "فارابی" نے یہ کہا "گلیلو" نے یہ کہا "نیوٹن" نے یہ کہا "آئن اسٹائن" نے یہ کہا۔ مگر بحمدہٖ تعالیٰ میں اس پر مطمئن ہوں کہ ان کی وہ معلومات جو قرآن و حدیث کے معارض ہیں مزخرفات ہیں۔ ان پر اعتماد دین سے ہاتھ دھونا ہے اس کو میں نے اصل رسالہ میں جگہ جگہ نہایت تصریح کے ساتھ ظاہر بھی کر دیا ہے۔

میرے استدلال کی بنیاد صرف یہ ہے کہ ــــــ یہ فاصلہ ہمارے علما کو بھی تسلیم ہے! حکما کا ذکر صرف اسلئے تھا کہ ان میں جو سورج کو آسمان میں مانتے ہیں ان پر بھی حجت تمام ہو جائے۔

یہ حق تو سب کو ہے کہ وہ مجھ سے مطالبہ کرے کہ وہ کون ہمارے علما ہیں جن کو یہ فاصلہ تسلیم ہے مگر یہ حق کسی کو بھی ہرگز نہیں تھا اور نہ ہے کہ اسے حذف کر کے آدھی بات پر ہنگامہ رستاخیز برپا کر دے۔ اب حضور والا ملاحظہ فرمائیں کہ یہ کون ہیں تو سماعت فرمائیں۔ یہ ہیں امام اہلسنت، یہ ہیں مجدد اعظم دین و ملت یہ ہیں اعلیٰ حضرت قدس سرہٗ، یہ ہیں حبر امت افقہ ملت سرکار مفتی اعظم ہند دامت برکاتہم العالیہ۔ اور ہے کہاں تو نوٹ فرمائیں۔ الملفوظ حصہ چہارم ص۶۴ پر۔ الملفوظ حصہ چہارم ص۶۴ ملاحظہ فرما کر اب ارشاد فرمائیں کہ حضور والا کے قیاس دلنواز قیاس دلخراش کے بنیاد کی کوئی اینٹ اپنی جگہ باقی رہی؟ رہ گیا چاند کا فاصلہ تو اس کے بارے میں میں نے کہیں نہیں لکھا ہے کہ یہ ہمارے علما کو بھی تسلیم ہے۔ بلکہ اسکے بارے میں یہ دعویٰ ہے کہ ان حضرات کے مسلمات پر مبنی ہے۔ حضور پھر ایک نظر میرے معروضہ پر شروع سے ڈالیں۔ میں نے وجہ ترجیح بیان کرنے کی ابتدا ان الفاظ میں کی ہے۔

ناظرین کو حیرت ہوگی کہ عقلی طور پر خود ان حضرات کے مسلمات کی بنا پر جمہور مفسرین ہی کے قول کو ترجیح حاصل ہے! اس کی تفصیل یہ ہے۔

اسکے بعد پانچ مقدمات ہیں تیسرے میں سورج کا فاصلہ مذکور ہے۔ اور اسی کے بارے میں یہ لکھا ہے کہ یہ فاصلہ ہمارے علما کو بھی تسلیم ہے۔ پانچواں نمبر یہ ہے۔

اسکے باوجود کہ چاند کا فاصلہ زمین سے گھٹتا بڑھتا ہے مگر ڈھائی لاکھ میل سے زائد نہیں ہوتا۔ اور یہ اپنی جگہ درست ہے کہ ان حضرات کے مسلمات پر چاند کا تقریباً یہی فاصلہ زمین سے ہے۔ وہ اس طرح کہ جن اصول حساب سے سورج کا فاصلہ دریافت کیا گیا ہے انھیں اصول حساب سے یہ فاصلہ بھی دریافت ہوا ہے اور حساب کے اصول قطعی ہیں ان کی قطعیت کی تشریح اعلیٰ حضرت قدس سرہٗ نے رسالہ مبارکہ "درء القبح عن درک وقت الصبح" میں فرمائی۔ علم توقیت کی قطعیت ثابت کرتے ہوئے فرمایا۔

تو حساب تو قطعی تھا ہی ظنی بات کی طرف راہ نہ تھی وہ مکرر رویت نے براہ تجربہ بتادی اور اب تجربہ اور حساب دو قطعیوں سے مل کر حکم قطعی ہوگیا۔

انھیں اصول حساب سے اعلیٰ حضرت قدس سرہٗ نے سورج کے علاوہ ثوابت کا بھی فاصلہ دریافت فرمایا۔ چنانچہ اسی الملفوظ کے حصہ چہارم میں ص ۹ کی یہ عبارت اوپر گزر چکی ہے۔

سب سے قریب ثابتہ جو مانا گیا ہے۔ نو ارب انتیس کروڑ میل ہے۔

اب اعلیٰ حضرت قدس سرہٗ نے ہیں کسی دوسرے نے انھیں اصول حساب سے جن سے اعلیٰ حضرت قدس سرہٗ نے زمین سے سورج کا فاصلہ ثوابت کا فاصلہ چاند کا زمین سے فاصلہ معلوم کر لیا۔ تو اس کے بارے میں یہ کہنا بلاشبہ صحیح ہے کہ وہ ان حضرات کے مسلمات پر مبنی ہے۔ اب جبکہ دکھا دیا کہ چاند کا زمین سے سورج کا فاصلہ نو کروڑ تیس لاکھ ہونا ہمارے علما کو بھی تسلیم ہے۔ اور ثابت کر دیا کہ چاند کا زمین سے تقریباً ڈھائی لاکھ دور ہونا، ہمارے علما کے مسلمات پر مبنی ہے۔ تو اب فرمائیں کہ حضور والا کی وہ آہ و بکا، نالہ و شیون، ماتم و زاری صرف عوام

کو شائر کرے اور مجھ سے بدظن کرنے کی سعی لا حاصل کے علاوہ اور کیا ہے؟ وہ بات بالکل واضح تھی کہ جب ائمہ تفسیر کے اقوال متعارض ہیں اور ان میں کسی ایک کی ترجیح کے لئے کوئی دلیل[1] منقول نہیں تو سوال پیدا ہوتا ہے کہ اس گتھی کو کیسے حل کیا جائے میں نے اصول فقہ کے مشہور و معروف قاعدے سے کام لیا جو اصول فقہ کی ہر کتاب میں مذکور ہے کہ جب احادیث متعارض ہوں تو اقوال صحابہ یا قیاس سے کام لیا جائے گا۔ ملاحظہ فرمائیں منار میں ہے۔

وحکمها بین الآیتین المصیر الی السنة وبین السنتین المصیر الی اقوال الصحابة او القیاس۔	تعارض اگر آیتوں میں ہے تو سنت کی طرف رجوع کریں گے اور اگر حدیثوں میں ہے تو اقوال صحابہ یا قیاس کی طرف رجوع کریں گے

یہاں تعارض صحابہ کرام کے ان اقوال میں نظر آیا جو حکم میں مرفوع کے ہیں۔ تو میں نے قیاس کی طرف رجوع کیا۔ یہ حکم صرف قرآن و سنت کے ساتھ خاص نہیں۔ بلکہ روایات فقہیہ میں بھی جاری ہے۔ امام اہلسنت اعلیٰ حضرت قدس سرہ نے فتاویٰ رضویہ جلد سوم ص ۴۱۵ پر یہ فرمایا۔

"علما فرماتے ہیں کہ روایت و درایت متطابق ہوں تو عدول کی گنجائش نہیں" علامہ حلبی نے غنیہ میں فرمایا۔

ولا یعدل عن الدرایة ما وافقها روایة۔	درایت سے عدول نہیں کیا جائے گا جب کہ اس کے موافق ایک بھی روایت ہو۔

اور حضور والا کو خوب معلوم ہے کہ دلیل عقلی ہی سے کام لینے کا دوسرا نام درایت و قیاس ہے میرے ان معروضات کا مفاد یہی ہے کہ درایت کا مقتضی یہی ہے کہ چاند سورج اور ستارے آسمان کے نیچے ہیں اور ان کے مطابق جمہور مفسرین کی روایت ہے بلکہ اب یہ کہتا ہوں کہ خود حضرت ابن عباس رضی اللہ تعالیٰ عنہما کی روایت بھی ہے

---

[1] دلیل موصوف منقول صفت۔ منہ

اسلئے اس سے عدول کی گنجائش نہیں۔ میری اس پوری عرض کو بغور ملاحظہ فرما کر حضور والا ہی ارشاد فرمائیں کہ اس پر حضور والا نے قیامت کے نام دعوت نامہ ارسال فرما دیا ہے۔ اب اسے واپس فرمائیں گے یا اب بھی وہ بدستور اپنی جگہ باقی ہے۔

ستم بالائے ستم یہ ہے کہ حضور والا نے اس مسلم دینی قاعدہ پر عمل پیرا ہونے کو وہ رنگ دیا ہے کہ الامان والحفیظ۔ حضور والا نے میرے اس استدلال کی تقریر یہ فرمائی ہے۔ کہ چونکہ حضرت ابن عباس رضی اللہ تعالیٰ عنہما کا قول حکمائے یونان و یورپ کے قول کے معارض ہے اسلئے مرجوح ہے۔ اگر حضرت ابن عباس رضی اللہ تعالیٰ عنہما کے قول کے معارض مفسرین ہی کا کوئی دوسرا قول نہ ہوتا اور میں صرف حکمائے یونان کے قول سے اسے مرجوح قرار دیتا تو حضور والا کا یہ فرمان درست ہوتا مگر معاملہ یہاں یہ نہیں چاند کے سفر کی تقریر کی بنیاد اس پر قائم ہے کہ حضرت ابن عباس کے قول کے مقابلہ میں جمہور مفسرین کا قول ہے۔ میں نے جمہور مفسرین کے قول کی تائید قیاس سے کی ہے۔ جو صرف حکمائے یونان و یورپ کے قول پر مبنی نہیں بلکہ اس صدی کے مجدد اعظم امام اہلسنت اعلیٰ حضرت قدس سرہٗ اور اس دور کے افقہ امت حضرت مفتی اعظم ہند دامت برکاتہم العالیہ کی تحقیق و تقریر پر مبنی ہے —— اگر دو متعارض روایتوں میں سے کسی ایک روایت کو درایت اور قیاس سے ترجیح دینے کا قاعدہ حضور کو تسلیم نہیں؟ تو اصول فقہ کے مذکورہ بالا قاعدہ اور اعلیٰحضرت قدس سرہٗ کے اس ارشاد کا کیا مطلب ہے —— افادہ فرمائیں؟ اور اگر تسلیم ہے تو ارشاد فرمائیں۔ کہ جہاں ہمارے علما دو متعارض روایتوں میں ایک کو قیاس سے راجح فرماتے ہیں تو کیا وہاں یہ کہنا درست ہے کہ حنفی علما نے قیاس سے حدیث کو رد کر دیا؟ اگر یہ صحیح ہے تو پھر حضور والا کی تحقیق کی روشنی میں غیر مقلدین کا احناف پر یہ الزام بالکل درست ہوا کہ نہیں۔ کہ احناف قیاس ہیں اہل الرائے ہیں۔

اور اگر یہ صحیح نہیں تو پھر میں نے جو کیا اس میں اور علمائے احناف کے اس عمل میں وجہ فرق بیان فرمائیں۔ نیز حضور والا افادہ فرمائیں کہ اعلیٰ حضرت قدس سرہٗ

نے الملفوظ حصہ چہارم میں زمین سے سورج کے فاصلے کے بارے میں جو کچھ لکھا ہے وہ تسلیم ہے کہ نہیں ؟

نیز یہ بھی ارشاد فرمائیں کہ اعلیٰ حضرت قدس سرہٗ نے الملفوظ کے اسی حصہ میں جو فرمایا کہ سب سے قریب ثابتہ کا فاصلہ نو ارب اٹھتیس کروڑ میل ہے یہ تسلیم ہے یا نہیں ؟

نیز یہ بھی واضح فرمائیں کہ اعلیٰ حضرت قدس سرہٗ نے ارادۃ الادب لفاضل النسب میں تحریر فرمایا ہے کہ ثریا آٹھویں آسمان کا تارہ ہے یہ تسلیم ہے یا نہیں ؟

اگر تسلیم ہے اور نہ تسلیم ہونے کی کوئی وجہ نہیں کہ خود حضور والا نے مجھے اعلیٰ حضرت قدس سرہٗ کے خلاف کرنے پر چیلنج کا دودھ یاد دلانے کی دھمکی دی ہے تو اب حساب لگا کر بتا دیں کہ جب حضور والا کی تحقیق کے بموجب حضرت ابن عباس حضرت سلمان فارسی حضرت عبداللہ بن عمر رضی اللہ تعالیٰ عنہم کے علی الرغم ستارے بھی چاند و سورج کی طرح آسمانوں میں ہیں۔ تو یہ ثریا کہاں ہے اور وہ تارہ جو نو ارب اٹھتیس کروڑ میل کے فاصلے پر ہے کس آسمان میں ہے اور جب سورج چوتھے میں اور چاند پہلے میں ہے تو چاند کا فاصلہ زمین سے کتنا ہوا۔ سورج کا کتنا ہوا۔ چاند کو جانے دیجئے۔ اگر اب بھی حضور والا کا یہی اعتقاد ہے کہ سورج چوتھے آسمان میں ہے تو فرمائیں یہ فاصلہ نو کروڑ تیس لاکھ میل ہی ہے یا کچھ کم زیادہ۔ حضور والا ان استفسارات کے اگر جواب ارشاد فرمادیں تو خود حضور والا پر واضح ہو جائے گا کہ حضور والا کے قیاس دل خراش و دلنواز کے صغریٰ کبریٰ کی حیثیت کیا ہے۔

مزید اور گوش گزار فرمائیں ابھی گزرا کہ مجدد اعظم اعلیٰ حضرت قدس سرہٗ نے فرمایا ہے کہ زمین سے سورج کا فاصلہ نو کروڑ تیس لاکھ میل ہے اور الملفوظ ہی میں دوسرا ارشاد یہ مذکور ہے۔

"سب سے قریب تر ثابتہ جو ملا گیا وہ نو ارب اٹھتیس کروڑ میل ہے"۔

۔ یونانیوں کے نزدیک یہ مسلّم ہے کہ سارے ثوابت آٹھویں آسمان میں ہیں۔ اب ناظرین پوری توجہ سے سنیں۔

زمین سے پہلے آسمان کا فاصلہ کتنا ہے یہ یونانیوں نے کہیں نہیں بتایا مگر حدیث صحیح میں ہے جس کی صحت خود حضور کو بھی تسلیم ہے کہ زمین سے پہلے آسمان کا فاصلہ زمین سے اتنا ہی ہے جتنا ہر آسمان کا دَل ہے پھر ایک آسمان سے دوسرے آسمان کا فاصلہ اتنا ہی ہے اس تقدیر پر زمین سے آٹھویں آسمان تک پندرہ تہیں ہوئیں اب اعلیٰ حضرت قدس سرہٗ کے اس فرمانے کے بموجب قریب تر ثابتہ نو ارب انتیس کروڑ میل ہے اس کا حاصل یہ نکلا کہ زمین سے آٹھویں آسمان کا فاصلہ اکسٹھ کروڑ ترانوے لاکھ تینتیس ہزار تین سو تینتیس اور ایک ثلث میل ہوا (۶۱۹۳۳۳۳۳۳ ۱/۳) اور یہی فاصلہ زمین سے پہلے آسمان کا ہوا۔

حضور کے ارشاد کے بموجب جب سورج چوتھے آسمان میں ہے تو زمین سے سورج کا فاصلہ نو کروڑ تیس لاکھ میل نہیں ہوا۔ بلکہ چار ارب تینتیس کروڑ ترپن لاکھ تینتیس ہزار تین سو تینتیس اور ایک ثلث (۴۳۳۵۳۳۳۳۳۳ ۱/۳) میل ہوا۔ تو اب دو ہی صورت ہے یا تو سرکار فرمائیں کہ سورج چوتھے آسمان میں نہیں یا پھر یہ فرمائیں کہ اعلیٰ حضرت قدس سرہٗ نے جو کچھ سورج کا زمین سے فاصلہ یا ثابتہ کا بتایا ہے یہ غلط ہے۔ ان دونوں میں سے ایک بات کہے بغیر گاڑی آگے نہیں چل سکتی۔

لیکن اگر حکمائے یونانیین کی تقلید جامد چھوڑ کر حضرات صحابہ کرام اور تابعین عظام اور جمہور مفسرین کے مذہب کو اختیار کیا جائے کہ چاند سورج ستارے سب آسمان کے نیچے ہیں تو پھر کوئی اشکال باقی نہیں رہتا۔

چلتے چلتے سرکار یہ بھی بتائیں کہ آٹھ یا نو آسمانوں کا قول قرآن مجید کی نص قطعی الثبوت قطعی الدلالت کے معارض ہے یا نہیں ہے کیونکہ قرآن مجید میں ایک نہیں متعدد آیات میں یہ نص صریح جلی موجود ہے کہ آسمان سات ہیں۔

مگر حضور فرما دیں گے کہ مفہوم عدد حجت نہیں لیکن حضور والا پر واضح ہو کہ معاملہ آپ کے آغوشِ شفقت کے پروردہ سے ہے۔ وہ عرض کر دے

گئی کہ مفہوم عدد اس وقت حجت نہیں جب اس کے خلاف اسی درجہ کی نص ہو اور یہاں کسی نص کی کَس بھی نہیں یونانیوں کے توہمات اور مزخرفات ہیں۔ دعت ہو وایا اولی الابصار قیاس دل خراش و دلنواز پر بہت کچھ کہنا باقی رہ گیا مگر اب اس کی کوئی ضرورت نہیں اسلئے کہ میری وہ وجہ ترجیح اس تقدیر پر تھی کہ حضرت ابن عباس رضی اللہ تعالیٰ عنہما کے اس قول سے کہ آیت میں فلک سے مراد آسمان ہے۔ بظاہر یہ متبادر ہوتا تھا کہ ان کا مذہب یہ ہے کہ چاند و سورج اور ستارے آسمان میں ہیں۔ اس طرح ان کا یہ قول جمہور مفسرین کے قول کے معارض ہوتا تھا اور تطبیق کی صورت نہ تھی تو لامحالہ ایک کو ترجیح دینی ضروری تھی۔ اور اب جبکہ فتح الباری اور عینی میں خود حضرت ابن عباس رضی اللہ تعالیٰ عنہما کا یہ قول مل گیا کہ وہ فرماتے ہیں کہ چاند و سورج اور ستارے آسمان کے گرد گھومتے ہیں۔ جس سے واضح ہو گیا کہ واقعی چاند و سورج اور ستاروں کے آسمان کے نیچے ہونے میں یہ بھی جمہور مفسرین کے ساتھ ہیں۔ تو نہ تعارض رہا نہ ترجیح کی ضرورت نہ وجہ ترجیح کے ضعیف یا غلط ہونے سے اصل موضوع پر کوئی اثر پڑنے کا اندیشہ اسلئے میں اسے یہیں ختم کر کے آگے بڑھتا ہوں ——— میرا مقصود عوام کو اعتراضات کی زعمی کثرت یا واقعی کثرت دکھا کر مرعوب کرنا نہیں ہے۔ ایضاح حق کے لئے نیاز مندانہ استفسار کا حق ہر کفش بردار کو ہے اور مجھے بھی ہے۔

ارشاد نمبر ۱۳ بہتان دوم اسی کتاب کے صہ ۶۹ پر یہ بہتان باندھا کہ چاند و سورج کا زیر سما ہونا صحابہ کرام کا قول ہے۔ المسلک صہ ۲۷

عرض میرے اصل رسالہ چاند کے سفر میں کیا تھا کیا نہیں اس بحث میں پڑنے سے اب کوئی فائدہ نہیں۔ حضور والا میری عرض نمبر ۱۰، ۱۱ ملاحظہ فرما کر ارشاد فرمائیں کہ حضرت عبداللہ بن عباس ایک، حضرت عبداللہ بن عمرو دو۔ حضرت سلمان فارسی تین۔ رضی اللہ تعالیٰ عنہم اجمعین کے یہ اقوال ہیں کہ نہیں ستارے چاند و سورج آسمان کے گرد گھومتے ہیں۔ چاند و سورج کے چہرے آسمانوں کی

طرف ہیں۔ ستارے زمین و آسمان کے مابین معلق ہیں۔ ان اقوال سے یہ ثابت ہوتا ہے یا نہیں کہ چاند اور سورج اور ستارے آسمانوں کے نیچے ہیں۔

ارشاد نمبر ۱۴

بہتان سوم۔ جو سب بہتانوں میں جلی ہے وہ یہ ہے کہ تا تمثیل جیج پر جلی حروف میں تحریر کر دیا۔ ارشادات صحابہ کرام و تابعین عظام و ائمہ مفسرین سے اس کا ثبوت کہ چاند پر پہنچنا ممکن ہے۔ از ابتدا تا انتہا پوری کتاب کھنگال ڈالئے کسی صحابی کا کسی تابعی کا کسی مفسر کا یہ قول نہ مل سکے گا کہ چاند پر پہنچنا شرعاً ممکن ہے۔ تو پھر یہ افترا نہیں تو کیا ہے کذب خالص نہیں تو کیا ہے۔ دروغ بافی نہیں تو کیا ہے، غلط بیانی نہیں تو کیا ہے لاف زنی نہیں تو کیا ہے۔ فریب کاری نہیں تو کیا ہے؟؟ صحابہ کو تابعین کو مفسرین کا نام لے کر مسلمانوں کی تضلیل کر رہے ہو، دشمنان اسلام کے منصوبہ کی تصدیق پر مسلمانوں کو آمادہ کر رہے ہو۔ انتہی بلفظہ ملخصاً

عرض

اگر میری یہ عرض ملاحظہ فرماتے وقت اسی درجے کا جلال ہو تو حضور اس وقت ہرگز نہ ملاحظہ فرمائیں جب مزاج مبارک معتدل ہو جائے تو ملاحظہ فرمائیں۔ انشاء المولیٰ تعالیٰ حضور والا کو ان کلمات طیبات پر خود افسوس ہوگا ـــــ سرکار والا جاہ نے صحیح النظر میں ابتداء ہی تحریر فرمایا ہے۔

یہ چاند پر پہنچنے کی خبر ایسی ہی ہے جیسے زمانہ گزشتہ میں ایک اخبار میں یہ خبر شائع ہوئی تھی کہ لندن میں ایک کتے نے انٹرنس پاس کیا ہے۔ بلکہ اس سے بدتر کہ وہ مذہب اسلام کے خلاف نہ تھی۔ اور یہ حدیث کے مخالف لیکن مجتہدین کے مخالف۔ ارشادات علمائے کرام کے مخالف۔

صحیح النظر تو صحیح النظر صحیح المسالک تک از اول تا آخر از ابتدا تا انتہا ایک ایک سطر ایک ایک حرف ایک ایک نقطہ پڑھ ڈالئے کہیں ایک حدیث تو کیا نصف و ربع بھی مذکور نہیں کہ چاند پر پہنچنا محال عادی ہے۔ ارشادات علما تو ارشادات علما ایک عالم کا بھی یہ ارشاد منقول نہیں کہ چاند پر پہنچنا محال عادی ہے۔ اور یہ

ایک حدیث اس مضمون کی نہیں ۔ ایک مجتہد کا حکم اس مضمون کا نہیں ، ایک عالم کا ارشاد اس مضمون کا نہیں ۔ تو پھر آگے حد ادب ۔

اور اگر سرکار یہ فرمائیں ۔ اس کا یہ مطلب کہاں ہے کہ حدیث یا احکام مجتہدین ارشادات علما کا یہ مضمون صریح ہے کہ " چاند پر پہنچنا محال عادی ہے " اسکا مطلب ہے کہ ایسی حدیث ہے ایسے احکام ہیں ۔ ایسے ارشادات علما ہیں جن سے لزوماً یہ مستفاد ہوتا ہے کہ چاند پر پہنچنا محال عادی ہے تو اس کفش بردار کو بھی اجازت دیجئے کہ وہ سرکار والاجاہ ہی کے الفاظ مبارکہ میں عرض کرے کہ میرے اس جملہ کا ارشادات صحابہ کرام و تابعین عظام و ائمہ مفسرین سے اس کا ثبوت کہ چاند پر پہنچنا شرعاً ممکن ہے

یہ مطلب نہیں کہ صحابہ کرام تابعین عظام نے ائمہ مفسرین نے یہ فرمایا ہے کہ چاند پر پہنچنا شرعاً ممکن ہے بلکہ اس کا بھی وہی مطلب ہے جو صحیح النظر کے ان کلمات کا ہے یعنی یہ کہ صحابہ کرام تابعین عظام ائمہ مفسرین کے ارشادات سے لزوماً ثابت ہے کہ چاند پر پہنچنا شرعاً ممکن ہے ـــــ اگر چاند کے سفر سے حضور والا کو اطمینان نہ ہوا ہو تو اب عرض نمبر ۱۰ ، ۱۱ کا مطالعہ فرمالیں اطمینان ہو جائے گا ۔ حضور والا کو اطمینان ہو یا نہ ہو یہ حضور والا کی مرضی پر ہے مجھے میرے ان استفسارات کا جواب مرحمت فرمائیں ۔

حضرت عبداللہ بن عباس رضی اللہ تعالیٰ عنہما کا یہ ارشاد ہے یا نہیں کہ سورج ، چاند اور ستارے آسمان کے گرد گھومتے ہیں ۔

حضرت ابن عباس و ابن عمر رضی اللہ تعالیٰ عنہما کا یہ ارشاد ہے یا نہیں کہ چاند و سورج کے چہرے آسمانوں کی طرف ہیں ۔

حضرت ابن عباس حضرت سلمان فارسی رضی اللہ تعالیٰ عنہم کا یہ ارشاد ہے یا نہیں کہ ستارے زمین و آسمان کے مابین معلق ہیں ۔

یہ تینوں حضرات صحابی ہیں یا نہیں انھیں صحابہ کرام کہنا درست ہے یا نہیں ؟

حسان بن عطیہ کا یہ قول ہے یا نہیں کہ چاند وسورج اور ستارے موج مکفوف ہیں آسمان کے نیچے ہیں۔

حضرت عطا کا یہ قول ہے یا نہیں کہ ستارے آسمان وزمین کے مابین معلق ہیں۔ دونوں اجلہ تابعین میں سے ہیں یا نہیں؟

جو لوگ چاند کو آسمان کے نیچے مانتے ہیں۔ ان کے قول کی بنا پر چاند پر پہنچنے پر کیا عقلی یا شرعی استحالہ ہے وہ بیان فرمائیں۔ ـــــ اگر کوئی استحالہ ہے تو اسے فصیح النظر وصحیح المسالک میں نہیں بیان فرمایا۔ اس استحالہ سے صرف نظر فرما کر کیوں خاتم الحفاظ علامہ سیوطی پر عارف باللہ علامہ صاوی پر صاحب کشاف زمخشری پر خلاف واقعہ الزام لگایا۔ اس نیاز مند کے سر دسیوں فرضی بے بنیاد افترا تھوپے۔ اس کی وجہ ظاہر فرمائیں۔

حضور نے ارشاد فرمایا کہ صحابہ کا تابعین کا مفسرین کا نام لے کر مسلمانوں کی تضلیل کر رہے ہو۔ اور آگے ہے۔ یہ گمراہ کن تالیف ہی رہ گئی تھی۔ افادہ فرمائیں۔ کیا یہ قول کہ انسان کا چاند پر پہنچنا شرعاً ممکن ہے۔ گمراہی ہے ـــــ اگر یہ صحیح ہے تو اگرچہ حضور والا سے جو روایت ہے وہ اسکے خلاف ہے۔ مگر جب حضور والا فرمادینگے کہ ہاں یہ قول گمراہی ہے تو وہی لائق اعتماد ہوگا۔

اسلئے فرمائیں۔ کہ اس قول کا کیا حکم ہے۔ کہ چاند وسورج اور ستارے آسمانوں کے نیچے ہیں۔ یہ گمراہی ہے یا کچھ اور۔ اگر گمراہی نہیں تو فرمائیں۔ جب چاند کے آسمان کے نیچے ہونے کو لازم ہے کہ چاند پر پہنچنا ممکن ہے تو جو قول گمراہی کو مستلزم ہو وہ قول خود گمراہی ہے۔ یا نہیں۔

اور حضور والا نے یہ فرمایا ـــــ دشمنان اسلام کے منصوبوں کی تصدیق پر مسلمانوں کو آمادہ کرتے ہو۔ حضور والا کیا عرض کروں حضور والا ایک گوشہ میں خلوت نشین ہیں۔ دربار کے رعب ودبدبہ کی وجہ سے صرف وہی نیاز مند حاضر ہوتے ہیں جو صرف جی حضور، بجا ارشاد فرمایا، جانتے ہیں۔ اپنا رعب وجلال کم فرمائیں

باہر نکلیں۔ اور ہر طبقہ کے لوگوں سے ملیں تو معلوم ہو گا۔ کہ چاند کے سفر کی اشاعت سے پہلے بلکہ میرے ابتدائی مضمون سے بھی پہلے دنیا کے اکثر مسلمانوں نے مان لیا ہے کہ چاند پر پہنچنا ممکن ہے۔ میں یا حضور رلاکھ انہیں محال عادی ہے کہنے والے گمراہ ہیں انھیں پرواہ نہیں پس اگر یہ قول کہ چاند پر پہنچنا شرعاً ممکن ہے گمراہی ہے تو آج کے موجودہ مسلمانوں کا سوادِ اعظم گمراہ ہو چکا ——— اب معاملہ یہ ہے کہ۔

ع واعظ برس رہا ہے پئے جا رہا ہوں میں

اسکے بعد مجھے کوستے کوستے مجھ پر عتاب فرماتے فرماتے جب جی نہیں بھرا تو یہاں بھی استاذ العلما جلالۃ العلم سرکار حافظ ملت دامت برکاتہم کو نشانہ بنایا، جسے پڑھنے کے بعد صبر کا دامن تھامے رہنا مشکل ہو گیا۔ ع

دل ہی تو ہے نہ سنگ و خشت درد سے بھر نہ آئے کیوں۔

میری اس ندرہ سے نہ مبارکپور کے ان اولوالعزم با حوصلہ مسلمانوں کو کوئی ضرر پہنچا اور سرکار حافظ ملت دامت برکاتہم کو مگر یہی ندر بہانہ بن گئی ان پر تبرا بازی کی۔ اگر حضور والا اسی میں خوش ہیں تو خوش رہیں۔ حضور حافظ ملت مدت فیوضہم نے ہمیں ہمیشہ ہی تلقین فرمائی ہے۔

ع صبر تلخ است و لیکن بر شیریں دارد

اس عظیم اجتماع میں جب کہ ہزاروں علما ہزاروں دیندار عوام حضور حافظ ملت کے یہاں مہمان تھے میں نے یہ ندر پیش کی ضرور حضور حافظ ملت نے دستِ مبارک میں لیا مگر اس وقت نہ پڑھنے کا موقع تھا۔ نہ پڑھا۔ بعد میں پڑھا ہو گا۔ میرے اوپر جو کرم ہے اس سے یہی امید ہے۔ مگر حضور والا یہ کیوں سمجھے بیٹھے ہیں کہ سرکار جو تحریر فرما دیں گے اسے سب تسلیم کر لیں۔ آپ بھی مرد ہیں وہ بھی مرد ہیں انتم رجال نحن رجال۔ آپ یقین مانیں کہ سرکار مفتی اعظم ہند دامت برکاتہم العالیہ کی طرح حضور حافظ ملت مدظلہ بھی اس مسئلہ میں میرے ساتھ ہیں۔ وہ اس تالیف کو گمراہ کن نہیں۔ بلکہ موضح حق جانتے ہیں۔ پھر وہ سرکار والا جاہ کی دلی خواہش

کے مطابق نذر آتش کیسے فرمائے۔ کیسے فرمائیں یہ انکشاف ضرور حضور والا کیلئے باعث تعجب ہوگا مگر ہے واقعہ یہی۔

میں نے یہ عرض کیا تھا کہ سورۂ فرقان کی آیۂ کریمہ

تَبٰرَكَ الَّذِیْ جَعَلَ فِی السَّمَآءِ بُرُوْجًا وَّجَعَلَ فِیْهَا سِرٰجًا وَّقَمَرًا مُّنِیْرًا

بہت عظمت والا ہے وہ جس نے بلندی میں برج بنائے اور چراغ اور روشنی دینے والا چاند بنایا۔

میں "السماء" کے معنی بلندی اور فضا کے ہیں اسے لغت اور تفسیر بیضاوی وغیرہ کے حوالے سے مبرہن کیا تھا۔ لفظ "بلندی" پر سرکار والا نے لفظ "دون" کے ترجمہ کی طرح جو موشگافیاں کی ہیں ان سے صرف نظر کرتے ہوئے ناظرین کو خلجان میں ڈالنے والی جو دو ایک باتیں ہیں ان پر استفسارات عرض ہیں۔

ارشاد نمبر ۱۵ لیکن پہلے سمجھ لیجئے کہ آیت زیر بحث میں "السماء" سے فضائے مذکور یا جہت علو مراد لینے کا آپ کو حق بھی ہے یا نہیں۔ علامہ قاضی بیضاوی علیہ الرحمہ کا ارشاد ہے جس کو ملا عبد الحکیم سیالکوٹی قدس سرہ القوی نے اپنے حاشیہ بیضاوی ص ۱۲۶ میں بالفاظ خود بایں طور نقل کیا ہے۔ اذا وقع فی القرآن لفظ یصح حملہ علی المعنی اللغوی والشرعی یتعین حملہ علی الشرعی یعنی جب قرآن کریم میں کوئی لفظ ایسا واقع ہو جس کے معنی لغوی اور شرعی دونوں صحیح ہو سکتے ہوں۔ تب بھی شرعی معنی مراد لینا متعین ہے اور شک نہیں کہ السماء کے شرعی معنی آسمان ہیں۔ کما فی الصاوی ص ۳۰۔

عرض حضور والا کی اس نشاندہی پر اس کفش بردار نے صاوی کا ورق ورق دیکھ ڈالا مگر کہیں یہ نہیں ملا کہ "السماء" کے شرعی آسمان کے ہیں حضور والا نے جلد کا حوالہ نہیں دیا ہے اس کا امکان ہے کہ یہ میری نظر کا قصور ہو۔ اسلئے درخواست ہے کہ صاوی کی یہ جلد صفحہ اگر رقام فرما دیں تو انشاء اللہ تعالیٰ حق واضح اور واضح تر ہو جائے گا۔ یوں مجھے یقین ہے کہ صاوی میں کہیں نہیں یہ بھی

اسی قسم سے ہے جو حضور والا نے خاتم الحفاظ علامہ سیوطی قدس سرہ کے سر ایک جگہ نہیں تین چار جگہ باندھا ہے۔ کہ انھوں نے جمہور کے قول کو مرجوح قرار دیا ہے۔ وہ بھی اس جرأت کے ساتھ کہ عبارت بھی نقل فرمادی جگہ کی تعیین بھی کر دی۔ اور صاوی میں یہ ہو بھی کیسے سکتا ہے۔ جب کہ سماء بمعنی آسمان مشرکین مکہ کے عرف میں حتیٰ کہ ان کے بدویوں کے عرف میں مستعمل رہا ہے۔ اللہ عزوجل ارشاد فرماتا ہے۔

وَلَئِنْ سَأَلْتَهُمْ مَنْ خَلَقَ السَّمٰوٰتِ وَالْأَرْضَ وَسَخَّرَ الشَّمْسَ وَالْقَمَرَ لَيَقُولُنَّ اللّٰهُ فَأَنّٰى يُؤْفَكُونَ

اگر تم ان سے پوچھو (یعنی کفار مکہ سے) کس نے بنائے آسمان اور زمین اور کام میں لگائے سورج اور چاند تو ضرور کہیں گے اللہ نے، پھر کہاں اوندھے جاتے ہیں۔

ہر شخص جانتا ہے کہ شرعی معنی کا مطلب یہ ہے کہ شریعت نے اس لفظ کے یہ معنی وضع فرمائے۔ ان کفار کو، جو حضور صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم سے اس طرح بھاگتے تھے جیسے بھڑکتے ہوئے گدھے شیر سے۔ شرعی معنی کی کیا خبر۔ پھر ان سے خطاب میں شرعی معنی مراد لینا کیا لغو نہیں ہوگا۔ یہ آیت اسکی دلیل ہے کہ سموٰت یا سماء بمعنی آسمان معنی عرفی ہے یا لغوی۔ جسے شریعت سے بے خبر جاہل بھی جانتے تھے۔ اسلئے مجھے یہ شبہہ ہو رہا ہے اسے صاوی کی طرف منسوب کرنا اسی طرح ہے جیسے علامہ سیوطی کی طرف منسوب فرمادیا کہ انہوں نے جمہور مفسرین کے قول کو مرجوح قرار دیا ہے۔

رہ گئی علامہ بیضاوی کی یہ تشریح کہ جب قرآن کریم کے کسی لفظ میں لغوی و شرعی دونوں معنی صحیح ہو سکتے ہوں تب بھی شرعی معنی مراد لینا متعین ہے اس کا حوالہ حضور والا نے حاشیہ بیضاوی ص ۱۲۲ دیا ہے میرے پاس جو بیضاوی ہے اس کا ص ۱۲۲ اور اس کے ارد گرد کئی صفحے دیکھ ڈالے کہیں مجھے نہیں ملا مگر چونکہ عدم وجدان، وجدان عدم نہیں اسلئے ہو سکتا ہے کہ کہیں ہو۔ مجھے حیرت اس پر ہے کہ اس قاعدے پر خود علامہ بیضاوی نے عمل کیوں نہیں کیا۔ ملاحظہ فرمائیں۔

ومن الاولیٰ للابتداء سواء اريد بالسماء السحاب فان ما علاك سماء او الفلك ص۲۲	پہلا من ابتداء کے لئے ہے خواہ سماء سے بادل مراد لیں۔ کہ ہر وہ چیز جو تیرے اوپر ہے، سماء ہے۔ یا آسمان۔

دوسری جگہ ہے۔

والسماء یحتمل الفلك والسحاب والعلو	"سماء" آسمان اور بادل اور بلندی تینوں کا احتمال رکھتا ہے۔

جب علامہ بیضاوی خود تصریح فرماتے ہیں کہ لفظ "السماء" میں تینوں احتمال ہیں۔ آسمان، بادل، بلندی تو بقول حضور کے اپنے اس قاعدے سے کام لے کر کیوں نہیں فرمایا کہ احتمال تو تینوں کا ہے بمگر آسمان متعین ہے کہ یہ معنی شرعی ہے مزید ملاحظہ فرمائیں۔ لعلکم تتقون کی تفسیر میں ہے۔

فی المحافظۃ علی القصاص والحکم به والاذعان لها وعن القصاص فتکفوا عن القتل۔ ص۱۳۰	خدا کا خوف کرو قصاص لینے میں۔ اس کا حکم کرنے میں اس کا یقین کرنے میں۔ یا قصاص سے ڈرو تاکہ قتل سے باز رہو۔

اسکے حاشیہ پر ملا عبد الحکیم سیالکوٹی فرماتے ہیں۔

قوله فی المحافظۃ الخ اشارۃ الی انه من التقوی بمعنی الشرعی هو التجنب عما یضره فی الاخرۃ قوله او عن القصاص فیکون التقوی بالمعنی اللغوی وهو الحذر والخوف	فی المحافظۃ اشارہ ہے اسکی طرف کہ مراد تقویٰ سے شرعی معنی ہے یعنی ان چیزوں سے بچنا جو آخرت میں ضرر رساں ہیں اور عن القصاص سے یہ اشارہ ہے کہ یہاں تقویٰ کے لغوی معنی مراد لئے جائیں یعنی بچنا اور ڈرنا۔

ملاحظہ فرمائیں تقویٰ کے دو معنی تھے۔ شرعی ان چیزوں سے بچنا جو آخرت میں نقصان دہ ہوں۔ "لغوی" بچنا اور ڈرنا۔ دونوں کو قاضی بیضاوی نے ذکر کر کے چھوڑ دیا۔ ان سے زیادہ حیرت مُلّا عبد الحکیم کے اوپر ہے کہ انھوں نے بھی یہاں اس قاعدے سے کام لے کر معنی شرعی کی تعیین نہیں فرمائی۔ ان دونوں سے زیادہ علامہ

صاوی پر ہے کہ آیتہ کریمہ وَاَنْزَلَ مِنَ السَّمَآءِ مَآءً کو علامہ سیوطی قدس سرہٗ نے بغیر تفسیر کے چھوڑ دیا تھا اس پر علامہ صاوی فرماتے ہیں۔

قولہ من السماء ای اللغویۃ وھی ماعلاک وارتفع والمراد السحاب	سماء بمعنی لغوی ہے اور یہ ہر وہ چیز ہے جو تیرے اوپر ہو اور بلند ہو مراد بادل ہے۔

قاضی بیضاوی کے بارے میں تو سرکار فرما سکتے ہیں کہ انھیں یہ علم نہ ہوگا کہ سماء کے معنی شرعی آسمان کے ہیں۔ مگر علامہ صاوی تو بقول حضور خود اس کی تصریح فرمانے والے ہیں۔ انہوں نے یہاں شرعی معنی چھوڑ کر لغوی معنی مراد ہونے کی تصریح فرمادی۔ مگر حضور والا فرمادیں گے کہ انھیں قاضی بیضاوی کا بیان کردہ قاعدہ معلوم نہیں ہوگا۔ مگر یہ گتھی ملا عبدالحکیم سیالکوٹی پر آکر پوری طرح الجھ جاتی ہے کہ وہ یہ قاعدہ بھی جانتے تھے اور تقویٰ کے شرعی و لغوی دونوں معانی بھی جانتے تھے دونوں کو ذکر بھی فرمایا اور اپنے بیان کردہ قاعدہ سے کام نہیں لیا۔

پھر اگر اس قاعدہ سے کام لیا جائے تو احناف کے لئے ایک جگہ بہت مشکل ان پڑے گی۔ وہ جگہ آیتہ کریمہ غَیْرَ بَاغٍ وَّلَا عَادٍ ہے احناف کے نزدیک باغی کے لغوی معنی مراد ہیں۔ اسی لئے اعلیٰ حضرت قدس سرہٗ نے اس کا ترجمہ یہ فرمایا ہے۔

نہ یوں کہ خواہش سے کھائے نہ یوں کہ ضرورت سے آگے بڑھے۔

مگر شوافع کے یہاں شرعی معنی مراد لیتے ہیں یعنی باغ سے ان کی مراد امام برحق کی اطاعت سے خارج ہے چنانچہ حضور والا کی مطلقاً راجح اقوال پر مشتمل کتاب جلالین میں ہے۔

غیر باغ (خارج علی المسلمین ولاعاد متعد علیھم بقطع الطریق)	جبکہ باغی یعنی مسلمانوں پر خروج کرنیوالا نہ ہو اور نہ ان پر ظلم کرنیوالا ڈاکو ہو۔

اسی بنا پر ہمارے اور شوافع کے درمیان یہ اختلاف ہے۔ ہمارا مسلک یہ ہے کہ باغی اور ڈاکو وغیرہ بھی حالت اضطرار میں میتہ وغیرہ بقدر ضرورت کھا سکتے ہیں شوافع فرماتے ہیں کہ باغی اور ڈاکو وغیرہ نہیں کھا سکتے۔ اب ارشاد فرمائیں۔ کہ

یہاں شرعی اور لغوی دونوں معانی کا احتمال ہے۔ شوافع شرعی مراد لیتے ہیں اور احناف لغوی۔ حضور والا نے قاضی بیضاوی کی طرف منسوب اس قاعدہ کو صحیح تسلیم کر کے مجھے ذبح کرنے کی کوشش میں مذہب حنفی کو ذبح کر ڈالا یا نہیں۔

ارشاد نمبر ۱۶ اب سنئے اس آیت زیر بحث میں "السماء" سے جہت علو مراد لینا ضروری ہے۔ تو جو مترجمین فارسی کے ہوں یا اردو کے اس آیت میں واقع (السماء) کا ترجمہ آسمان کیا ان کا ترجمہ غلط ہوا۔ اور مجدد مائۃ حاضرہ اعلیٰ حضرت عظیم البرکت مولانا شاہ احمد رضا خان صاحب بریلوی قدس سرہ نے بھی آسمان کے ساتھ ترجمہ کیا ہے۔ تو ہے ہمت کہ ان کے ترجمے کو غلط کہہ دو۔ کہہ کے دیکھو تو سہی چھٹی کا دودھ یاد نہ آجائے تو بات ہے۔ ص ۳۱، ۳۲ لکھا

عرض میں تو اس کی ہمت نہیں رکھتا مگر حضور والا کو ضرور اسکی ہمت ہے اور ایک نہیں متعدد جگہ اعلیٰ حضرت قدس سرہٗ کی بات غلط بتا آئے۔ ان کا مذاق اڑا آئے جتی کہ زمین سے سورج کے فاصلہ پر تو قیامت ہی برپا کر دی حضور والا متکلم کے کلام کے معنی اس سے پوچھئے وہ خود بہتر بتائے گا۔ اعلیٰ حضرت قدس سرہٗ نے اس آیت کا ترجمہ "آسمان" فرمایا ہے۔ مگر اعلیٰ حضرت قدس سرہٗ کے کلام میں "آسمان" ان ساتوں آسمانوں کے علاوہ دوسرے معنی میں بھی وارد ہے اور لطف یہ ہے کہ ستاروں ہی کے بارے میں وارد ہے۔ اوپر گزر چکا۔ الدعوۃ الادب لفاضل النسب میں ارشاد فرمایا ہے ثریا آٹھویں آسمان کا ایک تارا ہے۔ اس آٹھویں آسمان کے کیا معنی ہیں ارشاد فرمائیں حضور والا کی تحقیق یہ ہے کہ تمام ستارے بھی انھیں ساتوں آسمانوں میں ہیں اور اعلیٰ حضرت قدس سرہٗ نے فرمایا ثریا آٹھویں آسمان میں ہے۔ ارشاد فرمائیں حضور والا نے اعلیٰ حضرت قدس سرہ کی بات کو غلط کہا یا نہیں۔

ارشاد نمبر ۱۷ ممکن ہے وہ یوں فرمائیں کہ اے عقل کل ہمارا قول اس کے معارض کہاں ہے ہم نے ثوابت کو عرش یا کرسی میں بتایا

تھا جیسے کہ تم کہہ رہے ہو اور آیت میں تو بروج کا ذکر ہے کہ وہ آسمان میں بنائے گئے ہیں۔ تمہاری اس کتاب میں ص۲۶ اور ص۴۳ پر تمہاری تحریر کے مطابق ثوابت اور چیز ہیں۔ بروج اور چیز پھر ہمارا قول اس آیت کے معارض کیسے ہو گیا ص۳۴

عرض کیا حضور والا کو اس سے انکار ہے کہ ثوابت اور ہیں اور بروج اور کیا حضور والا کے نزدیک ثوابت اور بروج ایک ہی چیز ہیں۔ اپنے کفش بردار کی تجہیل کے جوش میں اجلی بدیہیات کا بھی انکار ہے حضور والا واقعہ یہی ہے کہ ثوابت شئ دیگر ہیں اور بروج شئ دیگر۔ ثوابت ان ستاروں کو کہتے ہیں جو آسمان میں ایک جگہ رہتے ہیں اپنی جگہ نہیں بدلتے۔ اور بروج آسمان کے اس حصے کا نام ہے جہاں ان کے اجتماع سے مختلف اشکال اخذ کی گئی ہیں یعنی بروج آسمان کے چند حصوں کا نام ہے اور ثوابت ستاروں کو کہتے ہیں۔ غالباً شدت جلال میں ذہول ہو گیا۔ کہ ثوابت مظروف ہیں، اور آسمان ظرف۔ ظرف و مظروف میں تغایر ہے تو حضور والا کو انکار نہ ہو گا۔ یہ دوسری بات ہے کہ اب یہ سوال ہو گا کہ جب ثوابت عرش یا کرسی میں ہیں جیسا کہ ان حضرات نے فرمایا۔ تو حضور والا کی تحقیق کی بنا پر لازم کہ یا تو ان مفسرین کا قول باطل یا پھر بروج آسمان کے حصوں کا نام نہیں عرش یا کرسی کے ان حصوں کا نام ہونا چاہئے جہاں یہ ثوابت ہیں۔ مگر قرآن مجید میں فرمایا ہے کہ۔ سما میں ہیں۔ تو لازم کہ ان مفسرین کی بنا پر سما بھی بلندی ہوا۔ اب حضور والا فرمائیں۔ یہ ارشاد میری تائید ہے یا تردید۔ چلتے چلاتے یہ بھی ارشاد فرما دیں کہ الاتقان کی اس عبارت کا مطلب کیا ہے؟

بکل ماقیہ من ذکر البروج فھی الکواکب الا ولو کنتم فی بروج مشیدۃ فھی القصور الطوال الحصینۃ (ج ۱ ص ۱۳۳)	قرآن مجید میں بروج سے ہر جگہ ستارے مراد ہیں مگر وَلَوْ كُنْتُمْ فِي بُرُوجٍ مُشَيَّدَةٍ میں کہ یہاں اونچے مضبوط محل مراد ہیں۔

ارشاد نمبر ۱۸ جو تمام اوہام اور جملہ شکوک کی جڑ بنیاد اکھاڑ پھینکے اور ان کو پارہ پارہ ریزہ ریزہ کر کے ہمیشہ کے لئے موت کے گھاٹ اتار

والے علمائے حقانی کے نزدیک یہ ہے کہ اس آیۃ کریمہ اور گزشتہ دنوں کے ظاہر معنی یہی کہ چاند و سورج دونوں آسمان میں ہیں۔ اردو اور فارسی کے تمام ترجمے بھی اس پر شاہد اور علم عقائد میں تصریح ہے جس میں اصلا خفا نہیں کہ احادیث و آیات کو ان کے ظاہر معنی پر محمول کرنا واجب ہے ظاہری معنی چھوڑ کر دوسرے معنی مراد لینا صحیح نہیں۔ جب تک دوسرے معنی کے لئے دلیل قطعی نہ ہو۔ ص ۳۵

عرض آیۃ کریمہ اَلَمْ تَرَوْا كَيْفَ خَلَقَ اللّٰهُ سَبْعَ سَمٰوٰتٍ طِبَاقًا وَّجَعَلَ الْقَمَرَ فِيْهِنَّ نُوْرًا وَّجَعَلَ الشَّمْسَ سِرَاجًا کیا تم نہیں دیکھتے۔ اللہ نے کیوں کر سات آسمان بنائے ایک پر ایک اور ان میں چاند کو روشن کیا اور سورج کو چراغ بنایا۔

کا ظاہر معنی یہ ہے کہ چاند اور سورج ساتوں آسمانوں میں ہوں۔ اور کوئی نص قطعی تو درکنار ظنی بھی ایسی نہیں کہ جو صراحتہ نہ سہی اشارۃ اقتضاء ہی سہی یہ بتاتی ہو کہ چاند اور سورج ساتوں میں نہیں ایک میں ہے پھر حضور والا نے صحیح النظر میں کیسے تحریر فرمایا کہ علماء شریعت شمس کے بارے میں مختلف ہیں بعض نے فرمایا کہ چوتھے آسمان میں ہے اور بعض نے فرمایا کہ پانچویں میں اور بعض نے فرمایا کہ موسم سرما میں چوتھے آسمان میں رہتا ہے اور موسم گرما میں ساتویں میں اور چاند کے بارے میں کسی کا اختلاف نہیں سب کے سب متفق ہیں کہ وہ پہلے آسمان میں ہے۔ اسی بنا پر حضور والا نے فتح المسالک ص ۲۲ پر فرمایا غرض کہ فیہن کی ضمیر کا مؤول ہونا لابدی ہے۔

اب حضور والا اس نص قطعی الثبوت و قطعی الدلالت کے معارض اس قطعی الثبوت و قطعی الدلالت نص کا حوالہ دیں جس سے آپ نے اس کے ظاہر معنی سے عدول فرمایا ہے جب اس آیت کے ظاہر معنی سے عدول کی علت اسکے معارض کوئی نص قطعی دکھائیں گے تو اس خادم سے بھی اس کا مطالبہ حق ہے۔ اور اگر حضور والا نہ دکھا سکیں اور میں دعویٰ سے کہتا ہوں کہ کبھی بھی نہیں دکھا سکتے تو پھر اپنے خادم سے نص قطعی کا مطالبہ کیوں ہے۔ واضح فرمائیں۔

ارشاد نمبر ۱۹ اور مفتی صاحب کے مختار مسلک یعنی چاند اور سورج کے موج مکفوف زیر سمار میں ہونے پر کوئی دلیل قطعی نہیں ہے وسے کے تابعین کی مذکورہ بالا دو روایتیں تھیں جن کی مرجوحیت ثابت ہو چکی اور قطع نظر اس کے وہ از قبیل آحاد ہیں۔ ص ۳۶

عرض بالکل یہی اعتراض اعلیٰ حضرت قدس سرہٗ کی خدمت میں بھی پیش ہوا تھا۔ میں اس سوال کا جواب دونوں کو بعینہٖ حاضر خدمت کرتا ہوں۔ ملاحظہ کریں۔

آیۂ کریمہ ثُمَّ اٰتَیْنَا مُوْسَی الْکِتٰبَ تَمَامًا عَلَی الَّذِیْٓ اَحْسَنَ وَتَفْصِیْلًا لِّکُلِّ شَیْءٍ کے بارے میں۔ اعلیٰ حضرت قدس سرہٗ نے یہ ارشاد فرمایا کہ حضرت موسیٰ علیہ السلام نے جلال میں آکر الواح توراۃ پھینک دیں، وہ ٹوٹ گئیں امام مجاہد تلمیذ حضرت عبداللہ بن عباس رضی اللہ تعالیٰ عنہما کا قول ہے وہ فرماتے ہیں کہ تفصیل کل شیء اڑ گئی صرف احکام باقی رہ گئے۔

اس پر کسی نے یہ عرض پیش کی ـــــ حضور یہ امام مجاہد کا قول ہے اور وہ بھی خبر آحاد ہے۔ اس پر جواب ارشاد فرمایا ـــــ تو اس سے آپ کا مطلب یہ ہے کہ ان کا قول نہ مانا جائے۔ قرآن عظیم ایک حرف نہیں چل سکتا تاوقتیکہ احادیث اور ائمہ کے قول کو نہ مانا جائے ـــــ عرض ـــــ ائمہ سے مراد ائمہ تفسیر ہیں ـــــ ارشاد ـــــ ہاں ـــــ عرض ـــــ بہت مقامات پر ائمہ تفسیر کا قول نہیں مانا جاتا ہے مثلاً قاضی بیضاوی نے یا اور ائمہ نے مثلاً خازن نے تبیانا لکل شیء کو مخصص بتایا ہے۔ ارشاد ـــــ قاضی بیضاوی یا خازن وغیرہ ائمہ تفسیر نہیں کسی فن کا امام ہونا اور بات ہے اور اس فن میں کتاب لکھ دینا اور بات۔ ائمہ تفسیر صحابہ ہیں اور تابعین عظام تابعین میں بھی عظام کی تخصیص ہے الملفوظ جلد ۳ ص ۴ جو قول تنہا ایک تابعی کا ہو اس کی تفسیر میں اتنی اہمیت ہے تو جو اقوال تابعین عظام کے علاوہ صحابہ کرام کے بھی ہوں وہ بھی ایک کے

ان کی کتنی اہمیت ہوگی؟ وہ صرف علامہ محلی اور قاضی
نہیں تین تین صحابہ کے قبول کرنے سے مرجوح نہ صرف مرجوح بلکہ غلط ہو گئے ہیں۔ یہ
ثناء اللہ پانی پتی کے یقیناً درست ہے کہ قرآن کریم کے ظواہر معنی سے عدول
یہ غور طلب بات ہے۔ یہ اسی وقت صحیح ہے جبکہ اسکے معارض اس درجہ کی نص ہو۔ مگر سوال یہ ہے کہ
قرآن کے کسی لفظ کا کیا معنی ہے۔ یہ بتانا قاضی ثناء اللہ صاحب کا کام نہیں بلکہ
ائمہ تفسیر کا کام ہے جو صحابہ کرام ہیں تابعین عظام ہیں۔ قرآن کریم کے کلمات
طیبات کے جو معانی صحابہ کرام و تابعین عظام سے مروی ہیں وہی لئے جائیں
گے انھیں سے عدول ممنوع ہے اور یہی ارشاد نمبر۱، نمبر۱۱ میں اتقان کی
نقل کردہ کا صریح منطوق ہے۔ اسلئے ان آیات کے جو معانی صحابہ کرام و تابعین
عظام سے مروی ہیں وہی قرآن کے صحیح معانی ہیں۔ انھیں کے ظاہر سے عدول
کی اجازت نہیں۔ خواہ ان کے خلاف علامہ محلی فرمائیں یا قاضی بیضاوی فرمائیں یا
خازن فرمائیں اور پانی پتی قدس سرہ القوی کا تو ذکر ہی کیا اور جب کہ سید المفسرین
عبد اللہ بن عباس رضی اللہ تعالیٰ عنہما نے "کُلٌّ فِیْ فَلَكٍ یَّسْبَحُوْنَ" کے معنی بتا
دیئے یدورون حولہ چاند و سورج اور ستارے اس کے گرد گھومتے ہیں۔ تو
یہی قرآن کا ظاہر معنی ہوگیا۔ میں نے اس سے کہاں عدول کیا ہے۔ نشاندہی
فرمائیں۔ اور جب ان کا اور حضرت ابن عمر کا یہ قول ہے کہ چاند اور سورج کے
چہرے آسمانوں کی طرف ہیں جس کا صاف صاف مطلب یہ ہے کہ وہ آسمان
میں نہیں۔ اور جب ان کا اور حضرت سلمان فارسی رضی اللہ عنہما کا حضرت عطاء
کا یہ قول ہے کہ ستارے آسمان و زمین کے مابین معلق ہیں تو اعلیٰ حضرت قدس
سرہ کے اس فرمان اور اتقان کی ارشاد نمبر۱ و نمبر۱۱ میں مذکور کی عبارات کے بموجب
قرآن کریم کے کلمات طیبات کے معانی مراد لینا ضروری ہیں جو ان ارشادات
کے مطابق ہیں۔ حضور والا نے علامہ محلی اور قاضی ثناء اللہ پانی پتی کے قول سے
حضرت ابن عباس حضرت ابن عمر اور حضرت سلمان فارسی رضی اللہ تعالیٰ عنہم کے

اقوال کو رد فرمادیا ہے اور یہاں معاملہ یہ ہے کہ ان کے اقوال کے مقابلہ میں بیضاوی وخازن وغیرہ کی بھی کوئی حیثیت نہیں۔

ارشاد نمبر ۲۰ یہ امریکہ کی خبریں جو آئے دن آتی رہتی ہیں۔ اس فریب کاری سے مقصود یہ بھی ہے کہ مسلمانوں کے ذہن سے معجزہ شق القمر کی اہمیت نکال دی جائے کہ جب مسلمان ان چیزوں کو باور کرلیں گے تو اس کے بعد کہا جائے گا۔ تمہارے نبی نے چاند کے دو ٹکڑے تو کردیئے مگر اس میں ان کا تسلط اور قبضہ نہیں ہوا۔ لو دیکھو یہ مٹی وہیں کی تو ہے ابھی تھوڑی سی تجربہ کے لئے لائے ہیں۔ آئندہ بہت سی لائیں گے تو عجب نہیں کہ اس وقت یہ تصدیق کرنے والے مثلاً اسی مٹی کو عالم بالا کی مٹی سمجھ کر امریکہ وغیرہ سے درخواست کربیٹھیں گے کہ تھوڑی سی ہمیں بھی عنایت کردی جائے تاکہ ہم آنکھوں پرلیں۔ اس امید پر کہ اس کی برکت سے بینائی میں اضافہ ہو اور چشمہ لگانے کی علت سے نجات پائیں اور سینے پر رکھیں اس توقع میں کہ اس کی برکت سے دل کی نورانیت بڑھ جائے۔ ص۳۸

عرض امریکن یا اور کوئی چاند پر پہنچ جائے تو اس سے معجزہ شق القمر کا انکار کیسے لازم آئے گا۔ اس کی دلیل میں حضور والا نے جو ارشاد فرمایا کہ اسکے بعد یہ کہا جائے گا۔ تمہارے نبی نے چاند کے دو ٹکڑے تو کردیئے مگر اس میں ان کا تسلط اور قبضہ نہیں ہوا اور ہم تو پورے قابض اور مسلط ہو گئے۔

اگر صحیح ہے ــــــ تو اس کا مطلب یہ ہوا کہ آنحضور صلی اللہ علیہ وسلم کے قبضہ وتصرف میں کسی چیز کے ہونے کا مطلب حضور کے نزدیک یہ ہے کہ اس پر کسی غیر کا خصوصاً کفار کا یا کم ازکم امریکن کا تسلط نہ ہو۔ کسی غیر کا تسلط خصوصاً کفار کا یا کم ازکم امریکنوں کا حضور شہنشاہ کونین سید عالم صلی اللہ علیہ وسلم کے تسلط کے منافی ہے۔ یعنی اگر یہ ثابت ہوجائے کہ کسی چیز پر کفار یا امریکنوں کا قبضہ وتسلط ہے۔ تو یہ اس کی دلیل ہے کہ اس پر حضور سید عالم صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم کا

قبضہ و تسلط نہیں ان کا تصرف دلیل ہے آنحضور صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم کے قبضہ و تسلط و تصرف کے انتفا کی، تو حضور معاف فرمائیں۔ لازم آیا کہ اس وقت اس زمانہ میں سوائے ان چند ٹکڑیوں کے جن پر مسلمانوں کا قبضہ ہے۔ اکثر روئے زمین پر کفار ہی کا قبضہ ہے۔ پورا امریکہ، پورا روس، پورا چین، پورا جاپان، پورا ہندوستان، پورا یورپ بلکہ ایشیا، و افریقہ کا پورا حصہ بلکہ خود حرمین طیبین حجاز آنحضور صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم کے قبضہ و تصرف میں نہیں کہ ان سب پر کفار نصاری، مشرکین، ملحدین، مرتدین کا قبضہ ہے بلکہ یہ لازم آیا کہ کبھی بھی پوری زمین پر آنحضور صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم کا قبضہ و تسلط نہ رہا۔ اس لئے کہ سوائے اندلس کے پورا یورپ، مسلم روس، مسلم چین، مسلم جاپان، مسلم آسٹریلیا کبھی بھی مسلمانوں کے قبضے میں نہیں آیا، پھر ہم اہلسنت و جماعت کے اس عقیدہ کی کیا حقیقت رہ گئی۔

مالک کونین ہیں گو پاس کچھ رکھتے نہیں دو جہاں کی نعمتیں ہیں انکے خالی ہاتھ میں

پھر بخاری شریف کی اس حدیث کا کیا محمل ہے اوتیت بمفاتیح خزائن الارض مجھے زمین کے تمام خزانوں کی کل کنجیاں دیدی گئیں۔ حضور والا بات بالکل واضح ہے کہ آنحضور صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم کے قبضہ و تسلط میں تمام عالم ہے اور عالم کے کسی حصہ پر بھی کسی غیر مسلم کا قبضہ و تسلط ہونا حضور صلی اللہ علیہ وسلم کے قبضہ کے منافی نہیں۔ اسی طرح چاند معجزہ شق القمر کے وقت بھی اور اس وقت بھی حضور سید عالم صلی اللہ علیہ وسلم کے قبضہ و تسلط میں تھا اور ہے بالفرض اگر امریکن یا روسی چاند پر پہنچ بھی گئے ہوں بلکہ فرض کیا جائے کہ اس پر اپنی نو آبادی قائم کر کے اپنی حکومت بھی قائم کرلیں گے جب بھی رہے گا۔

اور اگر یہ فرمائیں کہ چونکہ چاند سے ایک "معجزے" کا اثبات ہوا ہے اسلئے اس پر غیروں کا قبضہ نہیں ہو سکتا۔ تو گزارش یہ ہے کہ زمین سے بھی معجزے کا ظہور ہوا ہے، اثنائے ہجرت میں حضرت سراقہ بن مالک رضی اللہ تعالیٰ عنہ

کو جو اس وقت ایمان نہیں لائے تھے اور انعام کی لالچ میں شہید کرنے بڑھے تھے۔ بروایت تین بار، بروایت سات بار زمین میں دھنسایا اور نکالا پھر اس پر غیروں کا قبضہ کیوں ہے۔ خصوصاً خاص اس سرزمین پر جہاں اس کا صدور ہوا تھا، رہ گئی چاند کی خاک آنکھ میں سرمہ لگانے کے لئے، امریکیوں سے مانگنے کی بات۔ تو سرکار یہ وہ مانگے گا جسے خاک مدینہ نہ ملے اپنا تو یہ عقیدہ ہے۔ ؎

نرم ہو گئی ہے پشت زمین طعن زمین سے
سن ہم پہ مدینہ ہے وہ رتبہ ہے ہمارا

چاند پر تو چند لمحے کے لئے انگشت مبارک کا اشارہ پہنچا تھا اور مدینہ میں سرکار چودہ سو سال سے جلوہ فرما ہیں۔ خواہ حضور والا کو یقین ہو خواہ نہ ہو میرا اپنا تو عقیدہ یہ ہے کہ مدینہ طیبہ کی خاک تو بہت بلند ہے۔ وہاں تو وہ در ہے وہ گھر ہے جس کی کرسی، کرسی سے بھی اونچی ہے۔ خود حضور والا کے نعلین کی خاک چاند سے افضل ہے، پھر اگر تصدیق کرنے والے عقلا سے سرکار کی مراد یہ خادم ہے جیسا کہ بعض جملوں سے ظاہر ہے، تو حضور والا کو یہاں بھی اپنے کفش بردار کو سمجھنے میں تسامح ہوا ہے۔ میں نے کبھی بھی ان چاند پر پہنچنے والوں کی تصدیق نہیں کی، نہ میرے رسالے کا موضوع ان کی تصدیق ہے۔ میں نے صرف اس پہلو پر گفتگو کی ہے کہ آیا شرعاً چاند پر پہنچنا ممکن ہے یا نہیں اگر کوئی ان کی تصدیق کرے تو اس کا حکم کیا ہے اس پر توبہ وتجدید نکاح ہے۔ جیسا کہ بعض بزرگوں کا فتویٰ ہے۔ یا وہ گمراہ ہے۔ جیسا کہ فصیح المسلک کے بعض جملوں سے مترشح ہوتا ہے یا تصدیق کے بعد بھی وہ صحیح العقیدہ سنی مسلمان رہتا ہے۔

رہ گئیں ان کی اسلام دشمنی اسے میں خوب جانتا ہوں اور نہ اس سے غافل ہوں مگر میرا یہ مسلک نہیں کہ کسی قوم کی عداوت میں اتنا غلو کیا جائے کہ حق بات کو بدل دی جائے ارشاد باری ہے۔

لَا یَجْرِمَنَّکُمْ شَنَاٰنُ قَوْمٍ عَلٰٓی اَنْ لَّا تَعْدِلُوْا — اور تمھیں کسی قوم کی عداوت اس پر نہ ابھارے کہ انصاف نہ کرو۔

ارشاد نمبر ۲۱ ثابت ہوگیا کہ چاند پر پہنچنا محال عادی ہے۔

عرض اور حضور والا کی تحقیق یہ ہے کہ محال عقلی کا وقوع ممکن بلکہ واقع تو محال عادی کا وقوع بدرجہ اولیٰ ممکن اگر اس نیاز مند نے چاند پر پہنچنے کو ممکن کہہ دیا تو پھر اتنا جلال کیوں ؟ سرکار نے بشیر القاری شرح بخاری میں فرمایا ہے بلکہ احسن جواب یہ ہے کہ آفتاب اپنے اصلی جسم سے زیر عرش ساجد ہوتا ہے اور اسی جسم سے طلوع و غروب بھی کرتا رہتا ہے زیر عرش مستقر بھی ہوتا ہے اور طلوع و غروب بھی جاری رہتا ہے اس سے بیک وقت ایک جسم کا دو مکان میں ہونا اور دونوں مکان میں بیک وقت اس سے مختلف افعال کا صدور لازم آئے گا جو نظر عقل میں اگرچہ یقیناً محال ہے کہ اجتماع ضدین ہے۔ مگر اصحابِ قلوب کے نزدیک نہ صرف ممکن بلکہ واقع ہے صـ۸۲

تَعَالَوْا اِلٰی کَلِمَةٍ سَوَآءٍۢ بَیْنَنَا وَبَیْنَکُمْ

باسمہ عزوجل

مفتی محمد نسیم احمد مصباحی
استاذ جامعہ اشرفیہ مبارکپور، اعظم گڑھ

حضرت شارح بخاری مدظلہ العالی ماہ و سال کے آئینے میں

واقعات	ماہ قمری سنہ ہجری	ماہ شمسی سنہ عیسوی
	تاریخ مہینہ سنہ ہجری	تاریخ مہینہ سنہ عیسوی
ولادت	۱۱ شعبان ۱۳۳۹	۲۰ اپریل ۱۹۲۱
دار العلوم اشرفیہ میں داخلہ	۱۴ شوال ۱۳۵۳	۲۱ جنوری ۱۹۳۵
بیعت بدست حضرت صدر الشریعہ قدس سرہ	صفر ۱۳۵۹	مارچ ۱۹۴۰
داخلہ مدرسہ اسلامیہ اندر کوٹ میرٹھ	۱۴ محرم ۱۳۶۱	۳۱ جنوری ۱۹۴۲
داخلہ مدرسہ منظر اسلام مسجد بی بی جی بریلی شریف	شوال ۱۳۶۱	اکتوبر ۱۹۴۲
تقریب ختم بخاری شریف	۲۹ جمادی الآخرہ ۱۳۶۲	۳ جولائی ۱۹۴۳
دستار بندی	۱۴ شعبان ۱۳۶۲	۱۹ اگست ۱۹۴۳
خلافت سلسلہ رضویہ بدست حضرت صدر الشریعہ	۲۱ شوال ۱۳۶۷	۲۶ اگست ۱۹۴۸
مسند افتاء پر رونق افروزی ۲	۲۰ شوال ۱۳۷۸	۲۹ اپریل ۱۹۵۹
خلافت سلسلہ رضویہ اور ان تمام سلاسل کی جو الاجازۃ میں مذکور ہے	۱۷ رمضان ۱۳۸۱	۱۲ فروری ۱۹۶۲
تدریسی خدمات		
مدرسہ بحر العلوم مئو — ابتدا	۱۴ ذیقعدہ ۱۳۶۲	۱۳ دسمبر ۱۹۴۳
انتہا	۸ جمادی الآخرہ ۱۳۶۳	۳۱ مئی ۱۹۴۴
مدرسہ شمس الاسلام حسین آباد مبارکپور ضلع پلاموں بہار — ابتدا	۱۵ جمادی الآخرہ ۱۳۶۳	۷ جون ۱۹۴۴
انتہا	۱۹ ربیع الآخر ۱۳۶۴	یکم اپریل ۱۹۴۵

۱ اس کے قبل دو ماہ شوال کو دار العلوم اشرفیہ مدرسہ مصباح العلوم کی زیارت کی گئی۔
۲ حضرت مفتی اعظم ہند قدس سرہ نے اپنے مبارک ہاتھوں سے دستار باندھ کر شرف اختصاص عطا فرمایا۔

واقعات		تاریخ	مہینہ	سنہ ہجری	تاریخ	مہینہ	سنہ عیسوی
			ماہ قمری سنہ ہجری			ماہ شمسی سنہ عیسوی	
مدرسہ حنفیہ مالیگاؤں ضلع ناسک	از	۲۲	ربیع الآخر	۱۳۶۳	۶	اپریل	۱۹۳۵
	تا	۹	شوال	۱۳۶۳	۱۷	ستمبر	۱۹۳۵
مدرسہ معین العلوم ہریت لالانور گیا بہار	از	۱۰	شوال	۱۳۶۳	۱۸	ستمبر	۱۹۳۵
	تا	۹	شوال	۱۳۶۶	۲۶	اگست	۱۹۳۷
مدرسہ شمس العلوم قصبہ گھوسی، ضلع مئو	از	۱۳	ذی الحجہ	۱۳۶۶	یکم	اکتوبر	۱۹۳۷
	تا	۱۸	ذیقعدہ	۱۳۷۳	۹	جولائی	۱۹۵۳
مدرسہ فضل رحمانیہ پچپڑوا ضلع گونڈہ	از	۲۰	ذیقعدہ	۱۳۷۳	۲	جولائی	۱۹۵۳
	تا	۱۰	شعبان	۱۳۷۵	۲۳	مارچ	۱۹۵۶
مدرسہ مظہر اسلام مسجد بی بی جی بریلی شریف	از	۲۳	شوال	۱۳۷۵	۳	جون	۱۹۵۶
	تا	۲۷	ذی الحجہ	۱۳۸۶	۸	اپریل	۱۹۶۷
جامعہ عربیہ انوار القرآن بلرامپور	از	۲۷	محرم	۱۳۸۶	۸	مئی	۱۹۶۷
	تا	۸	ربیع الآخر	۱۳۹۵	۲۰	اپریل	۱۹۷۵
مدرسہ ندائے حق جلال پور ضلع امبیڈکر نگر	از		ربیع الآخر	۱۳۹۵		اپریل	۱۹۷۵
	تا	۹	ذی الحجہ	۱۳۹۶	۲۷	نومبر	۱۹۷۶
جامعہ اشرفیہ مبارکپور اعظم گڑھ میں بحیثیت صدر شعبۂ افتا	از	۲۳	ذی الحجہ	۱۳۹۶	۱۳	دسمبر	۱۹۷۶
	تا	حال			حال		
گورنر اترپردیش کے ایم منشی کی کتاب[1] "لیجسلیٹو لیڈرز" کے خلاف احتجاج			محرم	۱۳۷۶		ستمبر	۱۹۵۶
"اشرف السیر" کی تصنیف		۲۷	محرم	۱۳۸۸	۲۶	اپریل	۱۹۶۸
"اسلام اور چاند کا سفر" کی تصنیف		۱۶	شوال	۱۳۹۱	۵	دسمبر	۱۹۷۱
قید[2] گونڈہ جیل میں		۲۱	صفر	۱۳۹۳	۲۷	مارچ	۱۹۷۳
آغاز شرح بخاری		۲۱	ذی الحجہ	۱۴۰۲	۱۰	اکتوبر	۱۹۸۲

[1] مذکورہ کتاب میں گورنر نے حضور اقدس صلی اللہ علیہ وسلم کی شان میں سخت توہین کی تھی۔

[2] [illegible] ضلع [illegible] میں ایک پنڈت نے حضور اقدس صلی اللہ علیہ وسلم کی شان میں گستاخی کی تھی۔ جس کے جواب میں حضرت شارح بخاری علیہ الرحمہ نے تقریر فرمائی۔ دیوبندیوں نے ہندوؤں کو ابھار کر مقدمہ کروادیا۔ جس کی سزا میں ۳۰ دن جیل خانے میں مقید رہے۔

واقعات	تاریخ	مہینہ	سنہ ہجری	تاریخ	مہینہ	سنہ عیسوی
خلافت بدست حضرت احسن العلماء قدس سرہ مارہرہ شریف بموقع عرس قاسمی			۱۴۰۳			۱۹۸۳
پہلا حج		ذی الحجہ	۱۴۰۵		ستمبر	۱۹۸۵
"سنی دیوبندی اختلافات کا منصفانہ جائزہ" کی تصنیف	۲۹	ربیع الآخر	۱۴۰۹	۱۱	نومبر	۱۹۸۸
"فتنوں کی سرزمین کون — نجد یا عراق؟" کی تصنیف	۷	جمادی الاولیٰ	۱۴۱۱	۲۶	نومبر	۱۹۹۰
کولمبو (لنکا) کا پہلا تبلیغی سفر	۲۰	ربیع الآخر	۱۴۱۳	۱۸	اکتوبر	۱۹۹۲
کولمبو (لنکا) کا دوسرا تبلیغی سفر	۸	صفر	۱۴۱۶	۷	جولائی	۱۹۹۵
افریقہ کا تبلیغی سفر	۱۷	صفر	۱۴۱۷	۳	جولائی	۱۹۹۶
پہلا عمرہ	۸	ربیع الاول	۱۴۱۷	۲۵	جولائی	۱۹۹۶
پاکستان کا تبلیغی سفر	۱۷	ربیع الاول	۱۴۱۷	۳	اگست	۱۹۹۶
شیخ عبد الواحد بلگرامی رحمۃ اللہ علیہ (ایوارڈ پاکستان)	۱۸	ربیع الاول	۱۴۱۷	۳	اگست	۱۹۹۶
امام احمد رضا ایوارڈ	۱۰	شوال	۱۴۱۷	۱۹	فروری	۱۹۹۷
دوسرا عمرہ		رمضان	۱۴۱۸		جنوری	۱۹۹۸
دوسرا حج		ذی الحجہ	۱۴۱۸		اپریل	۱۹۹۸
پاکستان کا دوسرا تبلیغی سفر (بسلسلۂ شرکت جلسہ دار العلوم امجدیہ کراچی، بموقع گولڈن جبلی)		صفر	۱۴۱۹		جون	۱۹۹۸
تکمیل شرح بخاری	۱۱	رمضان	۱۴۱۹	۳۰	دسمبر	۱۹۹۸
خانقاہ برکاتیہ مارہرہ مطہرہ کے سجادہ نشین کی طرف سے "فقیہ اعظم ہند" کا خطاب بموقع عرس قاسمی۔	۲۰	رجب	۱۴۲۰	۳۱	اکتوبر	۱۹۹۹
شاہ برکت اللہ گولڈ میڈل	۹	شعبان	۱۴۲۰	۱۸	نومبر	۱۹۹۹
جشن تکمیل شرح بخاری زیر اہتمام، رضا اکیڈمی بمبئی	۲۱	شوال	۱۴۲۰	۲۹	جنوری	۲۰۰۰ء

ادارے کی قابلِ مطالعہ کتب

نمبر شمار	نام کتاب	مصنف	قیمت
1	احکام عمامہ مع سبز عمامہ کا ثبوت	مفتی محمد ہاشم خان العطاری	40
2	احکام داڑھی مع وجوب داڑھی پر دلائل	مفتی محمد ہاشم خان العطاری	40
3	احکام لقمہ مع احادیث سے لقمہ کا ثبوت	مفتی محمد ہاشم خان العطاری	40
4	احکام میلاد النبی ﷺ مع افعالِ میلاد کا ثبوت	مفتی محمد ہاشم خان العطاری	70
5	حکومت رسول اللہ ﷺ کی	مفتی محمد ہاشم خان العطاری	70
6	تخصیص فتاویٰ رضویہ جلد 5	مفتی محمد ہاشم خان العطاری	200
7	تخصیص فتاویٰ رضویہ جلد 6	مفتی محمد ہاشم خان العطاری	240
8	تخصیص فتاویٰ رضویہ جلد 7	مفتی محمد ہاشم خان العطاری	240
9	تخصیص فتاویٰ رضویہ جلد 8	مفتی محمد ہاشم خان العطاری	220
10	موبائل فون شریعت کے آئینے میں	مفتی محمد اظہر عطاری المدنی	90
11	مزار اور مندر میں فرق	مفتی محمد انس رضا العطاری	60
12	الھدایۃ المبارکۃ فی خلق الملائکۃ تحقیق تخریج وتحشیہ مع ترجمہ عربی عبارات	اعلیٰ حضرت امام احمد رضا خان مولانا محمد حزل رضا قادری عطاری	40
13	اسلام اور چاند کا سفر	مولانا مفتی شریف الحق امجدی	110
14	تعلیقات رضا	اعلیٰ حضرت امام احمد رضا خان	120
15	مطلع القمرین فی ابانۃ سبقۃ العمرین تقدیم وتحقیق تخریج وتحشیہ	اعلیٰ حضرت امام احمد رضا خان مفتی محمد ہاشم خان العطاری	240

❁❁❁